فکرونظر............ اسلام آباد جلد: ۴۲، ۴۳ شمارہ: ۴، ۱

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور احادیثِ تصوّف کی تدوین و تحقیق

ڈاکٹر سیّد ازکیا ہاشمی ☆

تاریخ امت میں بہت کم شخصیات ایسی گزری ہیں۔ جنہوں نے شریعت و طریقت میں تطبیق کو اپنے علم و تحقیق کا موضوع بنایا ہو۔ یہ اہم موضوع علوم شریعت میں کمال مہارت کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک میں بھی کامل رسوخ کا متقاضی ہے اور ایسی عبقری شخصیات جنہیں مجمع البحرین کی حیثیت حاصل ہو اور جو اس موضوع کے تقاضوں اور مشکلات کے گہرے ادراک کے ساتھ ساتھ مناسب علمی و فکری صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں اور زبانوں وقلم کے ذریعہ اس کی ترویج و تحقیق میں حصہ بھی لیا ہو، حقیقت میں ان کی تعداد بہت کم رہی ہے امام غزالیؒ مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی خدمات اس موضوع پر محتاج تعارف نہیں اس سلسلے کی آخری اور نمایاں کڑی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں جنہیں شرعی علوم و فنون کے تقریباً تمام شعبوں میں نہ صرف کمال بلکہ امتیاز حاصل تھا بلکہ وہ طریقت وسلوک کے بھی امام اور مجدد تھے۔ ان کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔ شریعت و طریقت میں تطبیق کے حوالے سے انکی ایک اہم اور نمایاں علمی وفکری کاوش احادیث تصوف کی تدوین و تحقیق ہے ، جس خاص منہج و اسلوب پر آپ نے یہ علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے اس کی نظیر اس سے قبل ملنی مشکل ہے حضرت تھانویؒ کی علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی خدمات محتاج تعارف نہیں، ان پر لکھی جانے والی تصانیف کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے اور ان کے لکھنے والے بجائے خود علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر احادیث تصوف کے حوالے سے آپ کی خدمات کا یہ گوشہ ہنوز تشنہ اور اہل علم و تحقیق کی خصوصی توجہ کا متقاضی ہے مختلف اہل علم نے اس موضوع پر آپ کی تصانیف کے مختصر اور سرسری تعارف پر اکتفا کیا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس موضوع پر آپ کی بلند پایہ خدمات کا جائزہ لیا جائے اور ان نمایاں تحقیقات کو سامنے لایا جائے جو حدیث اور تصوف کا گراں بہا خزینہ ہیں۔

اس موضوع کے تعارف سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانویؒ کی شخصیت سوانح اور خدمات پر مختصراً روشنی ڈالی جائے۔[۱]

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، مانسہرہ

حضرت تھانویؒ--حیات و خدمات:

حضرت تھانویؒ کی ولادت ہندوستان کے صوبہ یو۔پی، ضلع مظفر نگر، قصبہ تھا نہ بھون میں ۵-ربیع الثانی ۱۲۸۰ ھ مطابق ۱۸۶۳ء بروز چہار شبنہ (بدھ) منشی عبدالحقؒ کے ہاں ہوئی جو تھا نہ بھون کے انتہائی معزز صاحب منصب رئیس اور اہل دل بزرگ تھے۔ آپ والد کی جانب سے فاروقی النسل اوروالدہ کی جانب سے علوی النسب تھے، چھ ماہ کی عمر ہی میں مادری شفقت سے محروم ہوگئے، حافظ حسین علی دہلوی سے میرٹھ میں دس سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فراغت پائی۔ ابتدائی فارسی میرٹھ میں مختلف اساتذہ سے پڑھی۔ پھر فارسی کی متوسط درجہ کی کتب تھانہ بھون ہی میں مولانا فتح محمد تھانویؒ سے اور انتہائی کتب ابوالفضل تک اپنے ماموں واجد علی مرحوم سے پڑھیں۔ ۱۲۹۵ھ میں دیوبند تشریف لے گئے اور اکیس سال کی عمر میں ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور اپنے دور کے جید علماء سے کسب فیض کیا۔ حضرت تھانویؒ دیوبند کے ابتدائی زمانہ ، قیام میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیو بند کے درس جلالین میں تو شریک ہوتے رہے مگر باقاعدہ کوئی سبق ان سے پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ ، مولانا سید احمدؒ ، مولانا عبدالعلیؒ اور ملاّ محمودؒ جیسی یگانہ روزگار ہستیاں شامل ہیں جن میں سے ہر ایک شریعت و طریقت کا جامع تھا اور جن کے فیوضات علمی و عرفانی کا ایک عالم معترف ہے بالخصوص اول الذکر نے آپ کی تعلیم و تربیت میں خصوصی شفقت اور توجہ سے کام لیا، حصول علم سے فراغت کے بعد آپ نے کانپور کے سب سے قدیم مدرسہ ، مدرسہ فیض عام میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد ازاں کانپور کی جامع مسجد میں جامع العلوم کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور ۱۳۱۵ھ تک تقریباً چودہ سال وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیں اور مدرسہ کے صدر مدرس، شیخ الحدیث اور صدر مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عوام کی تربیت و اصلاح کے لیے مواعظ و ملفوظات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس چودہ سالہ تدریسی مدت کے دوران ہزاروں علماء و فضلاء نے آپ سے سند فراغ حاصل کی، ان میں سے مولانا اسحاق بردوانیؒ ، مولانا رشید احمد کانپوریؒ، مولانا احمد علی فتح پوریؒ، مولانا فضل حق الہٰ آبادیؒ، مولانا شاہ لطف رسول فتح پوریؒ، مولانا حکیم محمد مصطفیٰ میرٹھی، اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نمایاں شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کو زمانہ طالبعلمی ہی سے اصلاح و تربیت باطنی کی فکر تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی باطنی تربیت اور علوم کی تکمیل و تہذیب کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے شرف تعلق عنایت

فرمایا جو تصوف و سلوک میں مجتہدانہ ذوق کے مالک تھے جنھوں نے چاروں مشہور سلاسل تصوف کو اپنے طریق تعلیم و اصلاح میں سمو دیا تھا اور عرب و عجم کے سینکڑوں یگانہ، روزگار علماء و مشائخ ان کے دامن سے وابستہ تھے ، آپ بذریعہ خط زمانہ طالبعلمی ہی میں ان سے بیعت ہوگئے تھے۔تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۰۱ھ میں آپ کو حج کی سعادت میسر آئی تو حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بالمشافہ بیعت کا شرف حاصل کیا۔

۱۳۱۰ھ میں جب دوسری مرتبہ حج کی سعادت میسر آئی تو حاجی صاحبؒ کی خواہش پر ان کی خدمت میں چھ ماہ قیام کرکے تربیت باطنی کی تکمیل کی ، انہوں نے آپ کی طلب صادق ، فطری صلاحیت و استعداد کے پیش نظر خصوصی توجہات سے نوازا۔ وہ آپ کی باطنی ترقی سے مطمئن و مسرور ہو کر بعض اوقات فرماتے کہ ’’اللہ تعالیٰ نے جو الہامی علوم مجھے عطا فرمائے ہیں وہ ان کی زبان پر جاری فرما دیئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے انشاء اللہ یہ ہونہار رہرو طریق ایک دن رہبر طریق بنے گا اور امت مسلمہ کے لیے رشد و ہدایت کا علمبردار ہوگا‘‘[۲] آپ نے حاجی صاحب کی خدمت میں ذکر و شغل کے ساتھ ساتھ مثنوی مولانا رومؒ اور تصوف پر حاجی صاحب ہی کی تصنیف ’’ضیاء القلوب‘‘ انہی سے سبقاً سبقاً پڑھیں اور اجازت بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے ۔ واپسی پر حاجی صاحب نے آپ کو بکمال محبت و شفقت گلے لگا کر فرمایا، ’’میاں اشرف علی ! میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام معاصرین پر خاص فضیلت عطا فرمائی ہے، **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**.[۳] رخصت ہوتے وقت یہ وصیت بھی فرمائی کہ جب کبھی کانپور میں مدرسہ کی ملازمت سے دلبرداشتہ ہوں تو پھر اپنے وطن تھانہ بھون ہماری دیرینہ خانقاہ اور مدرسہ کو ازسر نو آباد کرنا اور توکلاً علی اللہ وہاں قیام پذیر ہوجانا۔ ان شاء اللہ تم سے خلائق کثیرہ کو نفع پہنچے گا، میری دعائیں اور توجہات تمہارے شامل حال ہیں‘‘[۴] ۱۳۱۱ھ میں واپس آنے کے بعد آپ نے درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس زمانے میں آپ کے تبلیغی اور اصلاحی مواعظ ’’ دعوات عبدیت ‘‘ کے نام سے اور آپ کے ارشادات و ملفوظات ’’ مقالات حکمت و مقالات خبرت‘‘ کے عنوان سے قلمبند ہو کر شائع ہوتے رہے۔ ۱۳۱۵ھ میں حاجی صاحبؒ کی وصیت کے مطابق کانپور سے قطع تعلق کرکے تھانہ بھون میں’’ خانقاہ امدادیہ‘‘ میں منتقل ہوگئے جو کہ اس سے قبل حاجی امداد اللہؒ، حافظ ضامن شہیدؒ اور شیخ محمد محدث تھانویؒ کی برکات سے دکان معرفت کہلاتی تھی اور جس کی رونق محدث تھانویؒ کی رحلت حافظ ضامنؒ کی شہادت اور حاجی صاحبؒ کی ہجرت کے سبب ماند پڑچکی تھی پھر عود کر آئی اور پھر سے رشد و ہدایت کا مرکز بن گئی جہاں آپ نے تقریباً چالیس سال تک تا دم وفات (۱۶۔۱۷

رجب۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹۔۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء) تعلیم و تربیت وعظ و ارشاد اور تصنیف اور تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، اس خانقاہ کا تعارف کراتے ہوئے آپ کے ایک مسترشد خاص یوں رقمطراز ہیں۔

''یہ خانقاہ ایک ایسا شہرہ آفاق اور ہمہ گیر ادارہ بن گئی ہیں جو ایک ہی وقت میں علوم و فنون دینیہ کی ایک معیاری جامعہ بھی تھی جہاں سے دین متین کے اہم اور دقیق مسائل کی تنقیح و تحقیق کا زبردست کام ہوا۔ یہی خانقاہ ایک مثالی دینی مدرسہ بھی تھی۔ جہاں علوم قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا تھا اور تہذیب اخلاق کی عملی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی اور تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز اور منفرد تربیت گاہ تھی جہاں بڑے بڑے جید علماء سے لے کر عوام کے ہر طبقہ کے لوگ ایک قلیل عرصہ میں تربیت باطن و تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر اور حقیقت تصوف و سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریق بنے اور منصب رشد و ہدایت پر فائز ہوکر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے''۔(۵) اس دوران ملک کے طول و عرض میں بڑی کثرت سے تبلیغی دوروں کا سلسلہ جاری رہا اور جگہ جگہ انقلاب انگیز اصلاحی وعظ ارشاد فرمائے اور جن کا کوئی معاوضہ کبھی قبول نہ فرمایا۔ یہ پر مغز اور حکیمانہ مواعظ بعض اوقات ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں چار چار گھنٹوں تک جاری رہتے ، سامعین میں ہر طبقہ کے لوگ علماء صوفیاء جدید تعلیم یافتہ ، جج وکلاء ، تاجر، شہری، دیہاتی، عوام و خواص شریک ہوتے، یہ مواعظ عالمانہ نکات اور بلند پایہ معارف و حقائق پر مشتمل ہوتے، ان کے موضوعات کا دائرہ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات، معاشرت اور اخلاق و آداب تک وسیع ہے جن میں عقائد رسوم اور معاملات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ رد بدعات اور جدید شبہات کے ازالہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک متقدمین میں ابن نباتہ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ کے علاوہ دوسرا کوئی مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں۔ آپ کے متعلقین نے آپ کے مواعظ بڑی تعداد میں نہ صرف قید تحریر میں لائے بلکہ حضرت تھانویؒ کی اصلاحی نظر سے گزار کر اسے افادہ عام کے لیے شائع کرایا۔

ان مرتب شدہ مواعظ کی تعداد تقریباً چار سو ہے۔(۶) اس طرح ہر وعظ نظر ثانی کے بعد گویا مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے آپ کے سینکڑوں مواعظ پر مشتمل بتیس ۳۲ مجموعے طبع کیے ہیں جو تقریباً سولہ ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔(۷) ان میں سے چند مجموعوں

کے نام یہ ہیں،۔ محاسن اسلام، حقیقت تصوف و تقویٰ ، دعوت و تبلیغ ، حقوق و فرائض، حقیقت عبادت، آداب انسانیت، تدبیر و توکل، حقوق الزوجین، اصلاح اعمال، اصلاح ظاہر، اصلاح باطن اور رحمت دوعالم ﷺ وغیرہ۔

حضرت تھانویؒ کے متعلقین نے آپ کے مواعظ کے علاوہ یومیہ مجالس کے ملفوظات بھی قلمبند کئے جو قرآن و حدیث کے تشریحات، نکات سلوک، مسائل فقہ، آداب و اخلاق، اصلاح باطن، تربیت و تزکیہ، نفوس اور اکابر کے احوال و واقعات اور لطائف پر مشتمل ہیں۔ آپ کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً باسٹھ ۶۲ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوا ہے ۔ ملفوظات کے یہ مجموعے نئ ترتیب کے ساتھ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان سے بتیس ۳۲ جلدوں میں طبع ہوچکے ہیں، ان میں سے مشہور مجموعے یہ ہیں۔حسن العزیز (۵جلد) انفاس عیسیٰ(۲جلد) مقالات حکمت (۲ جلد) اورالافاضات الیومیہ (۱۰جلد)۔

حضرت تھانویؒ کا حلقہ ارادت عوام سے لے کر علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے تک پھیلا ہوا ہے۔ ملک اور بیرون ملک ہزاروں طالبین حق و سالکین طریق آپ کے دامن سے منسلک ہو کر تربیت باطنی سے مستفید ہوئے۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز تربیت پر قوم و ملت کی اصلاح کے لیے ایسی عظیم جماعت تیار کی جن میں سے ہر ایک علم وفضل اور رشد وہدایت کا مینارہ نور ہے جنھیں آپ نے بیعت وتلقین کی اجازات مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا اور بعض مجاز صحبت قرار پائے۔ ان میں سے نمایاں نام یہ ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ ، مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا شاہ وصی اللہ اعظم گڑھیؒ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ، مولانا محمد مسیح اللہ جلال آبادیؒ، ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ ، مولانا جلیل احمد شروانیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ اور مولانایوسف بنوریؒ وغیرہم ان کوعلمی و دینی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔

حضرت تھانویؒ کے علمی دعوتی اور اصلاحی کاموں میں اصلاح معاشرت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے وعظ وتلقین اور تصنیف و تالیف کے ذریعے دین کے تمام شعبوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔ روحانی اصلاح اور تزکیہ کے لیے تصوف کی تجدید کی اور اخلاق باطنی کی اصلاح پر بھر پور توجہ کی۔ عام مسلمانوں تک اسلامی تعلیمات کو پہنچانے میں آپ کی زبان وقلم نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

آپ عملی سیاست اور اجتماعی جدوجہد سے کنارہ کش رہے تاہم سیاسی امور میں مشاورت اور قوم و ملت کی راہنمائی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے اپنی تحریروں اور فتاویٰ کے ذریعے دو قومی نظریہ

اور قیام پاکستان کی بھر پور حمایت کی۔ آپ کے زیر اثر علماء و متعلقین کی ایک بڑی جماعت نے متحدہ قومیت کے تصور کی تردید اور پاکستان کی تشکیل و تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں سے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ، مفتی محمد شفیعؒ اور سید سلیمان ندویؒ قابل ذکر ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے تقریباً تمام مروجہ علوم و فنون میں گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ایسے علمی نکات اور جواہر ریزے ملیں گے جو اس فن کی بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بھی نایاب ہیں اور جو اپنے علمی، منطقی اور عقلی استدلال کے باوصف آپ کی غیر معمولی ذکاوت و فقاہت کے آئینہ دار ہیں۔

علماء متقدمین میں سے ابن جریرؒ، خطیب بغدادیؒ، امام رازیؒ ، ابن جوزیؒ اور حافظ سیوطیؒ کا شمار کثیر التصانیف علماء میں ہوتا ہے اور آپ کا اسم گرامی اس سلسلۃ الذہب میں بنیادی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے، مختلف اور متنوع موضوعات پر اس قدر تصانیف کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔

سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک آپ کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں آٹھ سو کے قریب ہیں۔[۸] ان تصانیف کی مفصل فہرست چھ سو سے زائد صفحات میں شائع ہوئی ہے۔[۹] سید سلیمان ندویؒ آپ کی کثرت تصانیف کے متعلق یوں رطب اللسان ہیں۔

''کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملوّ ہے اور جس کا اہم کارنامہ حق کے اثبات و اظہار میں ہو یا باطل کی نشرواشاعت میں پریس اور مطبع ہی کی برکات ہیں، زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہیں اور رسائل و منشورات دعوت کے صحیفے ہیں۔ اس بناء پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامات بھی ان ہی کمالات میں جلوہ گر ہوں۔[۱۰] حضرت تھانویؒ کا شمار بھی ان صاحب تصانیف علماء میں ہوتا ہے جن کی تصانیف کے اوراق ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیے جائیں تو انکی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے۔

آپ کی تصانیف لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوتی رہیں مگر یہ آپ کے خلوص و للّٰہیت کی بڑی دلیل ہے کہ تصنیفات کی غیر معمولی مقبولیت کے باوجود آپ نے کبھی کسی کتاب کا حق طباعت اپنے لیے محفوظ نہیں رکھا بلکہ ہر شخص کو ان کے طبع کرانے کی عام اجازت دے دی ۔ ان تصانیف کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں بھی شائع ہوچکے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے تصنیفی سلسلے کا آغاز زمانہ طالبعلمی میں ہی اٹھارہ سال کی عمر ہی سے ہوگیا تھا، جب آپ نے مثنوی مولانا رومؒ کے طرز پر فارسی زبان میں مثنوی زیر وبم'' تحریر کی۔[۱۱] آپ کی تصانیف مختلف النوع موضوعات مثلاً علوم قرآن ، تفسیر علوم الحدیث ، شرح حدیث ، فقہ ،۔ اول فقہ، فتاویٰ، تجوید و قرأت کلام و فلسفہ، عقائد، معانی، تاریخ، ادب، معیشت و سیاست وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو مستقل اور ضخیم مجموعے تیار ہوسکتے ہیں اور مختلف موضوعات پر اس قسم کے بعض مجموعے مرتب بھی ہوچکے ہیں۔[۱۲] اور کئی ایک موضوعات پر مزید مجموعے مرتب کرنے کی مزید گنجائش اب بھی موجود ہے۔

حضرت تھانویؒ کو جن علوم میں نمایاں اور امتیازی مقام حاصل تھا وہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف ہیں۔ آپ کی تفسیری و قرآنی خدمات میں قرآن حکیم کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ اور تفسیر ''بیان القرآن'' ہے جو تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بقول اس نے بہت سی تفاسیر سے مستغنی کر دیا ہے۔[۱۳] آپ نے اپنے مخصوص اور منفرد اسلوب میں مختصر الفاظ میں تفسیر کے بڑے بڑے عقدے حل کر دیے ہیں جن پر دوسروں نے صفحات کے صفحات لکھ ڈالے۔ تجوید و قرأت پر آپ کے رسائل ''**جمال القرآن**''، ''**رفع الخلاف فی حکم الاوقاف**''، ''**وجوہ المثانی**''، '' **تنشیط الطبع فی اجراء السبع**'' مشہور ہیں۔ آیات و سور کے ربط ونظم پر آپ نے '' سبق الغایات فی نسق الآیات'' اور فقہ حنفی کے قرآنی دلائل پر ''**دلائل القرآن علیٰ مسائل النعمان**'' مرتب کی اور اسی موضوع پر اپنے خاص متعلقین سے اپنی زیرنگرانی ''**احکام القرآن**'' کے موضوع پر کام کروایا، جو آپ کی وفات کے بعد آٹھ جلدوں میں مکمل ہوا، ڈپٹی نذیر احمد اور مرزا حیرت کے قرآنی ترجموں کی اصلاح پر آپ کے رسائل ''اصلاح ترجمہ دہلویہ' اور اصلاح ترجمہ حیرت بھی مشہور ہیں۔ ''**التقیصرفی التفیسر**'' اور ''**الھادی للحیران فی وادی تفصیل البیان**''،بعض معاصرین کی غلط قرآنی تاویلات پر نقد و تبصرہ ہے۔ ''**مسائل السلوک من کلام ملک الملوک**'' میں قرآن حکیم کی آیات سے مسائل سلوک مستنبط کیے۔

حضرت تھانویؒ کو فقہ سے خصوصی شغف تھا انہیں قدرت کی طرف سے مسائل کی تحقیق کا خاص ذوق ودیعت ہوا تھا۔ تقریباً ۶۲ برس تک آپ کے قلم سے ہزاروں مسائل کے جوابات، فتاویٰ اور سینکڑوں فقہی رسائل تصنیف ہوئے۔ آپ کے فتاویٰ ''امداد الفتاویٰ'' کے نام سے چھ ضخیم جلدوں میں

مطبوع ہیں۔

جدید مسائل اور موضوعات پر ''حوادث الفتاویٰ'' کے نام سے مجموعہ مرتب کیا جو آپ کے اجتہادی ذوق اور تفقہ کا بین ثبوت ہے۔ ترجیح الراجح کے عنوان سے آپ نے ایک مجموعہ تیار کیا جس میں ان مسائل کو جن میں اپنی سابقہ تحقیق سے رجوع فرما کر اپنی حق پسندی ، بے نفسی اور انصاف کا ثبوت دیا۔ ''فتاویٰ اشرفیہ'' کے نام سے بھی مختلف فقہی مسائل پر تین حصے الگ شائع ہوئے۔ عورتوں کو اسلامی آداب و احکام سے واقف کرانے کے لیے ''بہشتی زیور'' مرتب کی جسے قبول عام حاصل ہوا اور ہر مسلمان گھر کی زینت بنا۔ ان کے علاوہ مختلف فقہی اور جدید مسائل پر مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔ شرعی احکام کے حِکَم و مصالح پر ''**المصالح العقلیه للاحکام النقلیه**'' عقلی شبہات اور جدید ذہن کے اشکالات کے جواب ''**الانتباهات المفیدة عن الشبهات الجدیدة** اور **اشرف الجواب** میں دیا۔

ان کے علاوہ اسلامی تعلیمات کی تشریح و توضیح اور اصلاح پر ''تعلیم الدین'' ۔'' حیٰوۃ المسلمین'' ۔ اصلاح الرسوم۔ اصلاح امت، اصلاح انقلاب، حقوق و فرائض، صفائی معاملات اور احکام اسلام وغیرہ کتب مرتب کیں۔

حدیث اور تصوف میں حضرت تھانویؒ کا مقام و مرتبہ:

موضوع زیر بحث کا تعلق چونکہ حدیث اور تصوف ہر دو شعبوں سے ہے اور احادیث تصوف کے حوالے سے جو عظیم علمی خدمت آ پ نے سر انجام دی ہے وہ ان شعبو ں میں کامل رسوخ اور مہارت کے بغیر ممکن نہ تھی اس لیے ان تحقیقات کے تعارف سے قبل ان ہر دو میدانوں میں آپ کے علمی مرتبہ ومقام سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

حضرت تھانویؒ کو دیگر علوم کی طرح حدیث نبوی سے بھی خصوصی شغف اور مناسبت حاصل تھی۔ آپ کو علم حدیث میں سند ملا محمود دیوبندیؒ ، مولانا یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمود الحسنؒ سے حاصل تھی۔ ملا محمودؒ اور مولانا یعقوبؒ نے شاہ عبدالغنیؒ سے اور مولانا محمود الحسنؒ نے مولانا محمد قاسمؒ سے احادیث کا درس لیا تھا۔ آ پکو قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے بھی سند حدیث حاصل تھی۔(۱۴) پندرہ برس تک آپ نے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں باقاعدہ درس حدیث دیا جب کہ قیام تھانہ بھون کے دوران باقاعدہ درس کا سلسلہ منقطع ہوگیا ، مصر کے نامور عالم ومحقق علامہ زاہد الکوثریؒ نے بذریعہ خط آپ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

علم حدیث میں مہارت پر آپ کی تصانیف کے علاوہ مواعظ، رسائل ، ملفوظات و فتاویٰ بھی گواہ

ہیں۔ جن میں بے شمار احادیث کے حوالے موجود ہیں اور شرح مشکلات ، دقیق مطالب کی توضیح اور نفیس نکات و لطائف پر مشتمل ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی بالخصوص ان کے مواعظ میں برمحل حدیثوں کے حوالے اور اکثر احادیث کے بعینہٖ الفاظ مع ان کی تخریجات اور کتابوں کے حوالے اس کثرت سے ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے میں شبہ نہیں ہوسکتا۔[۱۵] اس فن میں آپ کی مہارت ہی کی بناء پر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن کے مقدمہ میں آپ کے لیے الحافظ الثقہ الثبت کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔[۱۶]

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے اندازے کے مطابق حضرت تھانویؒ کے مواعظ و رسائل میں تقریبا پانچ ہزار احادیث موجود ہیں جن کی شرح کرکے امت کو تبلیغ کی گئی ہے۔[۱۷]

فن سلوک و تصوف کی تجدید کی غرض سے آپ نے ذخیرہ احادیث سے اس فن سے متعلق منتشر احادیث یکجا کرکے ان سے مسائل اخذ کئے اور اسکے ایک بڑے حصے پر روایتی اور درایتی پہلوؤں سے بحث و تحقیق کی۔ (ان کتب کا تفصیلی تعارف آگے آ رہا ہے)۔ آپ نے فقہ حنفی پر نصوص سنت سے انحراف اور قیاس کے غلبہ پر مبنی اعتراضات کے ازالہ اور دین کے اصل مراجع کی طرف اہل علم کو متوجہ کرنے کے لیے ان احادیث کو جو فقہ حنفی کے جزئیات سے متعلق تھیں جمع کرنے کا کام شروع کیا اور احیاء السنن کے نام سے ایک مجموعہ مرتب فرمایا اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی مگر اس کا مسودہ ضائع ہوگیا، بعد ازاں ابواب الصلوۃ تک احادیث جمع کرکے ایک کتاب ''جامع الأثار'' اور اس کا ضمیمہ ''تابع الأثار'' تحریر فرمایا جو دراصل ''احیاء السنن'' ہی کا نقش ثانی ہے پھر دوبارہ احیاء السنن کے نام سے دلائل حدیث کے استیعاب کے لیے اپنی زیرنگرانی یہ خدمت بعض علماء کے سپرد فرمائی۔ اس طرح ابواب الحج تک کام مکمل ہوکر احیاء السنن کے نام سے طبع ہوا بعض وجوہ کی بناء پر آپ نے اپنی زیرنگرانی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے احیاء السنن پر نظر ثانی کروا کر **استدراک الحسن** کے نام سے ایک کتاب لکھوائی اور پھر **احیاء السنن** ہی کو **اعلاء السنن** کا جامہ پہنا کر تمام فقہی ابواب پر احادیث کی تدوین مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے کروائی۔ یہ کتاب بیس جلدوں میں مکمل ہوئی۔ جس کی پہلی آٹھ جلدیں آپ کی اصلاح اور نظرثانی کے ساتھ مرتب ہوئیں اور بقیہ جلدوں کے بھی اہم اور مشکل مقامات سے متعلق آپ نے اپنی قیمتی افادات املاء کروائے[۱۸] جن کے حوالے جگہ جگہ کتاب میں دیے گئے ہیں کتاب کے اصلی اور بنیادی موضوعات کی تکمیل حضرت تھانویؒ کی حیات ہی میں ہوچکی تھی جس پر خود آپ نے اپنے ان تاثرات کا اظہار فرمایا کہ:

" اگر خانقاہ امدادیہ میں صرف یہی کام انجام پایا ہوتا تو اس کے فخر وفضل کے لیے کافی تھا کہ یہ کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے بینظیر ہے۔[۱۹] یہ کتاب ۲۱ جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔ اعلاء السنن میں صرف احناف کے دلائل حدیثیہ ہی کا استیعاب نہیں بلکہ حواشی میں جملہ احادیث کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے اور پھر محدثانہ اور فقہیانہ اصولوں کی روشنی میں جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے اس کتاب کی تعریف میں عرب وعجم کے بڑے بڑے علماء رطب اللسان ہیں۔[۲۰]

حدیث کی ان خدمات کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف میں سے "**المسک الزکی**" ہے جو آپ کے درس ترمذی کے افادات پر مشتمل ہے۔ جسے آپ کے شاگردوں نے اردو میں مرتب کیا۔ اس کا تتمہ "**الثواب الحلی**" کے نام سے خود آپ کے قلم سے ترمذی کی مشہور و مقبول احادیث کے عربی حواشی کی صورت میں تحریر ہو کر طبع ہوا۔ موطا امام مالکؒ کے کچھ درسی افادات بھی "**فوائد موطا امام مالک**ؒ" کے نام سے قلمبند ہوئے۔

ذخیرہ احادیث پر آپ کی وسعت نظر اور دقت فہم کا انداز ہ آپ کی دیگر تصانیف سے بھی ہوتا ہے جن میں بعض احادیث کی عمدہ شرح وتحقیق کی گئی ہے۔ مثلاً "**مؤخرة الظنون عن مقدمة ابن خلدون**" میں مہدی کے متعلق وارد شدہ احادیث کی تحقیق اور منکرین مہدی کی تردید ہے۔ رسالہ "**عبور البراری فی سرور الزراری**" میں اطفال مشرکین سے متعلق تحقیق پر تقریباً نو احادیث کی شرح کی گئی ہے۔ "**حقوق المعلم والمتعلم**" میں ۳۵ احادیث کی تشریح و توضیح ہے اس کے علاوہ متعدد رسائل کسی نہ کسی حدیث کی محققانہ شرح پر مشتمل ہیں۔ مثلاً شرک اور توسل کی تمیز وتحقیق پر "**الادراک والتوصل الی حقیقة الاشراک والتوسل**" کے نام سے ایک رسالہ ایک حدیث کی عمدہ شرح پر مشتمل ہے۔" **الحصحصه فی حکم الوسوسته** " کی حقیقت پر عربی میں ایک حدیث کی شرح پر مشتمل رسالہ ہے۔ رسالہ "**الارشاد الیٰ مسئله الاستعداد**" میں ایک حدیث کی شرح کی گئی ہے۔ "**النهر للمؤمن بالدهر**" میں حدیث "**ان الله هو الدهر**" کی تحقیق وتشریح کی گئی ہے۔ "**التحریص علیٰ صالح التعریض** " بھی ایک حدیث کی محققانہ شرح پر مشتمل رسالہ ہے۔

آپ نے مختلف موضوعات پر احادیث کے مجموعے بھی مرتب کئے مثلاً عربی دعاؤں کا مجموعہ جو مناجات مقبول کے نام سے معروف ہے۔حضور ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے خطبات کا احادیث صحیحہ سے انتخاب "**الخطب المأ ثورة من الاثار المشهورة**" کے نام سے کیا اور عربی میں جمعہ وعیدین کے علاوہ نکاح و استسقاء کے پچاس خطبے "**خطبات الاحکام لجمعات العام**" کے عنوان سے مرتب کئے جو

احادیث سے ماخوذ ہیں۔

حضرت تھانویؒ کو علوم و فنون کے تقریباً تمام شعبوں میں کمال و امتیاز حاصل تھا۔ مگر آپ کے علمی و فکری کاموں کا مرکزی نقطہ تجدید تصوف ہے جس کے ذریعے آپ نے تزکیہ نفوس اور اصلاح معاشرت کا اہم فریضہ سر انجام دیا۔ سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک آپ نے تمام فضائل و کمالات اور علوم و فنون کو صرف فن تصوف ہی کی اصلاح و تکمیل اور اسی کی خدمت میں لگا دیا تھا۔ وہ اس دور میں اس فن کی صورتحال اور آپ کے خصوصی کمالات و امتیازات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ آپ کو تمام دوسرے علمی اور عملی کمالات صرف اس لیے دیے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس مپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالت غربت تھا۔ جس کی حقیقت پر تہ بہ تہ پردے پڑ گئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آ گئی تھی، اور جو خود دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیاداری اور کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آ گیا تھا اور جہاں اس کا وجود تھا وہ یا محض اور چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے نصاب کا سلف صالحین نے اس فن کے جو ابواب و مسائل مفتح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو چکے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا وہاں علم میں وحدت الوجود یا وحدت الشہود کی ناقابل افہام وتفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی۔ بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ طریقت و شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کی جا رہی تھی، عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند مبتدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بخشا تھا۔ سید صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دور میں جا بجا صالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے مگر یہ کام محدود حلقوں میں تھا۔ اشخاص کی تلقین و ہدایت تو ہو رہی تھی۔ مگر تدوین فن ، ترتیب اصول، تحقیق مسائل، تالیف رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب و سنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام کہیں نہیں ہو رہے تھے...... نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درسگاہ تھی جس میں راہ (طریقت) کی مشکلات کو علمی و فنی طریقے سے بتایا او رسکھایا جاتا ہو اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بچھی تھی جہاں شریعت و طریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں۔ جہاں تفسیر و فقہ و حدیث کے ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں جو کتاب و سنت میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لیے حضرت حکیم الامت

مجدد ملت علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے لیا گیا تھا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔(۲۲)

حضرت تھانویؒ کے متعلق ان کے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے تفسیر قرآن اور تصوف سے خصوصی مناسبت کی پیشگوئی فرمائی تھی(۲۳) اس فن سے آپ کی غیر معمولی دلچسپی اور خصوصی مناسبت کا اندازہ آپ کی ان تجدیدی مساعی سے بخوبی ہو سکتا ہے جن کے ذریعے آپ نے تصوف کو ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کرکے سلف صالحین کے رنگ میں پیش کیا اور اس کے ذریعے اسلامی احکام کی ترویج اور انکے اتباع کی حقیقی روح بیدار کرنے کی کوشش کی۔آپ نے خود ایک مرتبہ اعتراف فرمایا کہ ''طریق بالکل مردہ ہوچکا تھا، لوگ بے حد غلطیوں میں مبتلا تھے بحمداللہ اب سو برس تک تو تجدید کی ضرورت نہیں رہی۔(۲۴)

حضرت تھانویؒ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے قرآن و سنت کے دلائل سے تصوف کو مؤید کرکے اس سے متعلق بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا اور مسلمانوں کے ہاں مروج فلسفیانہ تصوف اور مبتدعیانہ سلوک کے برعکس حقیقی و اسلامی تصوف و سلوک کو نمایاں کیا۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے تصوف کی ضرورت و اہمیت اور حقیقت و اصلیت کو واضح کیا۔ اور بتلایا کہ تصوف شریعت ہی کا اہم جزو ہے کیونکہ شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے جو اعمال ظاہری و باطنی پر مشتمل ہے اور متقدمین میں لفظ فقہ اس کا مترادف سمجھا جاتا تھا جیسے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔ ''**معرفة النفس مالها وماعليها**'' (نفس کا اپنے حقوق و فرائض سے واقف ہونا) پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے اس جزء کا نام ''فقہ'' ہوگیا جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے اور دوسرے جزو کا نام ''تصوف'' پڑ گیا جو اعمال باطنہ سے متعلق ہے۔ ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔(۲۵) گویا آپ کے نزدیک دین متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت و طریقت ہے اور ہم ہر دو ظاہری و باطنی اعمال سے متعلق فرائض و واجبات کے ادا کرنے کے مکلّف ہیں۔ آپ نے واضح کیا کہ طریقت یعنی تصوف و سلوک یا بالفاظ دیگر تہذیب اخلاق و تزکیہ نفوس دین ہی کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے۔ ا س پر شریعت و سنت کے مطابق عمل کرنا ایک درجہ میں ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے۔(۲۶)

آپ نے صوفیاء متقدمین کی تحریروں میں اس فن کی حقیقت کو نمایاں کیا جن پر جاہل متصوفین اور مبتدعین نے پردے ڈال رکھے تھے اور واضح کیا کہ صوفیائے غیر محققین کے احوال و اعمال کو سند بنا

کر اس فن پر اعتراض و تنقید اصل فن سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ آپ کے نزدیک احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل و تکمیل کا نام طریقت ہے۔ احوال و مقامات ، مجاہدات، ریاضات، لطائف و دوائر نہ مقصود ہیں نہ مطلوب البتہ حصول مقصد کے لیے ایک درجہ میں معاون و معین ہوسکتے ہیں۔

آپ نے اس خالص تصوف اور اسکی روشنی میں وضع کردہ اصلاح باطن کے اصولوں کے مطابق ہزاروں انسانوں کی اصلاح و تربیت کرکے ان کی زندگی میں دینی انقلاب پیدا کیا۔ آپ کی تربیت گاہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ کے ایک مسترشد لکھتے ہیں:۔

''حضرت کی تربیت گاہ باطن میں نہ کیفیات و ذوقیات تھیں نہ وجد و حال اور نہ رسمی مراقبے تھے نہ مجاہدے بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکامات کی بجاآوری کا تھا، دھن تھی تو اپنے ہر انداز زندگی میں اپنے محبوب نبی ﷺ کے ہر انداز زندگی کی اتباع کی تھی۔فکر تھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی تھی اور تاکید تھی تو صرف یہ تھی کہ اپنے ظاہر کو بھی پاک صاف رکھو اور اپنے باطن کو بھی طاہر و طیب۔''(۲۷)

حقوق العباد کی ادائیگی پر زور دیتے ہوئے فرماتے کہ'' ان میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کروگے تو تعلق مع اللہ کی تم کو ہوا تک نہ لگے گی، چاہے عمر بھر ہی کیوں نہ مروجہ رسمی تصوف کے مجاہد بنو، نوافل اور وظائف میں سر مارو، خدا کی مخلوق کو ناراض کرتے ہوئے بھی خدا کو راضی کر لوگے؟''(۲۸)

علمی سطح پر آپ نے اس فن کی جو خدمت سرانجام دی اس کا اندازہ آپ کی عالمانہ و محققانہ تصانیف سے بخوبی ہوتا ہے۔ ان میں سے **قصدالسبیل، مسائل السلوک، التکشف بمھمات التصوف، التشرف، کلید مثنوی تربیت السالک، حقیقة الطریقه** کو خصوصی شہرت حاصل ہے ان کتب میں فن تصوف کے اصول، شریعت کے اسرار، اتباع سنت کے رموز، حقائق و معارف ، امراض قلب کے نسخے، رد شبہات، دفع شکوک اور شریعت و طریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان کئے گئے ہیں، اس موضوع کے قیمتی جواہر ریزے آپ کی دیگر موضوعات پر تصانیف میں بھی منتشر ہیں۔

احادیث تصوف کی تدوین و تحقیق...... حضرت تھانویؒ کی عظیم علمی خدمت:

حضرت تھانویؒ کے علم وفضل کی اہم یاد گار احادیث تصوف کی تحقیق و تدوین ہے۔ اس موضوع پر ہمارے ناقص علم کے مطابق کوئی جامع اور محقق مجموعہ مرتب نہیں ہو سکا۔ آپ کا یہ علمی کارنامہ نہ صرف خدمت حدیث کے حوالے سے ایک امتیازی اور وقیع کوشش اور فن حدیث میں ایک اہم باب کا اضافہ ہے، بلکہ یہ تحقیقی کاوش تجدید تصوف کے حوالے سے بھی ایک نمایاں خدمت اور علمی کارنامہ ہے

جسے آپ نے قرآن و حدیث کے وسیع اور عمیق مطالعہ ، تصوف سے گہری مناسبت ، محقق علماء و صوفیاء کی تعلیم و تربیت اور فطری ذہانت و قابلیت کے زیر اثر انجام دیا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اولاً ان احادیث کو جمع کیا جو کتب و کلام صوفیہ میں موجود ہیں اور جنہیں صوفیہ نے اپنے مسلک اور افکار کی تائید میں نقل کیا ہے ، نیز وہ احادیث بھی آپ نے جمع کیں جو صوفیانہ حلقوں میں تو معروف نہیں تاہم ان سے تصوف سے متعلق کسی نہ کسی مسئلہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے ، بعدازاں ان احادیث کی تخریج کے ذریعہ آپ نے ان کی استنادی حیثیت اور مأخذ کی نشاندہی کی ہے۔ آپ نے بعض اقوال صوفیاء کی بھی تحقیق و توضیح کی ہے جو احادیث کے عنوان سے معروف ہیں،۔ ان حادیث کے ایک بڑے حصے کے متعلق آپ نے ناقدین حدیث کی آراء ذکر کرکے ان پر بحث کی ہے۔ ثبوت ضعف اور وضع کے باوجود اگر وہ احادیث محل استدلال نہیں بن سکتیں۔ تو ان کے متعلق اپنے نقطہ نظر کی دلائل سے وضاحت کی ہے۔آپ کا اصل کام محض جمع و تدوین اور ضعیف و موضوع کی نشاندہی تک محدود نہیں بلکہ حقیقی تصوف و سلوک کا احادیث سے اثبات اور جاہلانہ تصوف کی تردید ہے۔ آپ اس تصور کی نفی کرتے ہیں کہ حدیثوں میں تصوف نہیں آپ کے نزدیک وہ حدیث ہی نہیں جس میں تصوف نہیں۔[۲۹] (کیونکہ تصوف آپ کے نزدیک تعمیر ظاہر وباطن کا نام ہے)آپ نے ان تحقیقات کے ذریعے اس اعتراض کو بھی دور کر دیا ہے کہ علماء سلوک کے ہاں سب ضعیف اور موضوع روایات ہیں اور یہ کہ فن سلوک کے مسائل احادیث نبوی سے ثابت نہیں۔اگرچہ بعض علماء و محدثین نے اس موضوع کی طرف کچھ توجہ کی ہے، مگر حضرت تھانویؒ نے مستقل طور پر احادیث کی تدوین و تحقیق کے ذریعہ اس خدمت کو انجام دیا ہے اس موضوع پر آپ کا اصل کام آپ کی دو تصانیف ”**حقیقة الطریقة من السنة الانیقه**“[۳۰] اور ”**التشرف بمعرفة احادیث التصوف**“[۳۱] میں موجود ہے جن میں آپ نے تصوف و سلوک کو ایک محدث اور فقیہ کی حیثیت سے پرکھا ہے اور احادیث کا عارفانہ جائزہ ایک صوفی کی نظر سے کیا ہے۔

اس موضوع پر آپ کی خدمات کے تفصیلی تعارف سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صوفیانہ ادب میں موجود احادیث اور ان کی صحت کے متعلق اہل علم کے نقد و نظر اور انکی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے تاکہ موضوع کے تعارف اور تقابلی جائزہ سے حضرت تھانویؒ کے علمی کام کی جامعیت، قدر و قیمت اور امتیازی حیثیت واضح ہوسکے۔

صوفیانہ ادب میں احادیث اور ان پر نقد و نظر:

صوفیانہ ادب سے مراد صوفیہ کی وہ تصانیف، مواعظ، ملفوظات و مکتوبات ہیں جن میں صوفیانہ مسلک اور اس سے متعلقہ احوال ، روایات ومسائل کی تفصیل ہے۔ اس کا ایک اہم حصہ وہ احادیث ہیں جنہیں صوفیہ نے اپنے صوفیانہ مسلک کی اساس قرار دیتے ہوئے ان سے بحث و استدلال کیا ہے یا اصلاح باطن و تزکیہ نفوس سے متعلق احادیث میں مثلاً زہد و رقاق، مذمت دنیا، ترغیب و ترہیب اور اوراد و اذکار وغیرہ۔ ان موضوعات کی اہمیت کی بناء پر علماء متقدمین نے مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں متعلقہ احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ مگر وہ خاص فن تصوف سے متعلق نہیں ہیں۔ البتہ صوفیانہ ادب میں یہ احادیث منتشر ہیں۔

صوفیانہ ادب کی مشہور اور بہترین نمائندہ کتب میں سے شیخ حارث محاسبی م ۲۴۳ھ کی ''الرعایة فی الاخلاق و الزھد'' ابونصر السراجؒ م ۳۷۸ھ کی کتاب اللمع، شیخ ابوبکر کلاباذیؒ م ۳۸۰ھ کی ''التعرف لمذھب اھل التصوف'' ابوطالب مکیؒ م ۳۸۶ھ کی ''قوت القلوب'' ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ م۴۱۲ھ کی طبقات الصوفیہ، ابو نعیم الاصبہانی م ۴۳۰ھ کی ''حلیة الاولیاء'' ابوالقاسم القشیری م ۴۶۵ھ کی ''الرسالة القشیریة'' شیخ علی ہجویریؒ م ۴۷۰ ھ کی ''کشف المحجوب'' امام غزالیؒ ۵۰۵ھ کی ''احیاء العلوم'' (جو قرآن وسنت کی روشنی میں اصلاح و تربیت اور تعلیم و تبلیغ پر شہرہ آفاق تصنیف ہے)۔ شیخ محمد بن طاہر المقدسیؒ م ۵۰۷ھ کی ''صفوة التصوف'' شیخ عبدالقادر جیلانیؒ م ۶۲۰ھ کی ''غنیة الطالبین'' شیخ شہاب الدین سہروری م ۶۳۲ھ کی ''عوارف المعارف'' ابن عربیؒ م ۶۳۸ھ کی ''الفتوحات المکیة'' شیخ نظام الدین اولیاءؒ م ۶۴۵ھ کی ''فوائد الفواد '' اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ م ۶۷۰ھ کی ''فوائد السالکین'' اور مولانا رومؒ م ۶۷۲ھ کی مثنوی معنوی'' قابل ذکر ہیں۔[۳۲] ان کتابوں میں تصوف کے اسرار و رموز اور علوم و معارف سے بحث ہے اور احادیث کا ذکر ان میں ضمناً آیا ہے البتہ ''احیاء العلوم'' میں احایث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ مشہور صوفی علامہ ابن ابی جمرة مالکی اندلسیؒ ۶۹۵ھ کی کتاب ''بھجة النفوس'' جو کہ ''مختصر البخاری'' کی شرح ہے اس میں انہوں نے احادیث بخاری کی شرح میں مسائل سلوک و تصوف اور مسائل اخلاق و آداب کا بھی استنباط کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں جا بجا اس کے حوالے دیئے ہیں ۔ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں تین سو احادیث کی شرح کی گئی تھی۔[۳۳]

صوفیانہ ادب سے متعلق ایک اہم خدمت ان احادیث کی تخریج و تحقیق ہے جو کتب صوفیہ میں

منقول ہیں اگرچہ اس نوعیت کا مستقل کام جو پورے صوفیانہ ادب کا احاطہ کرتا ہو ہمارے علم میں نہیں البتہ مختلف اہل علم نے جزوی طور پر اسے موضوع تحقیق بنایا ہے ، مثلاً حافظ زین الدین عراقیؒ نے **المغنی عن حمل الاسفارفی الاسفار** کے نام سے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج کی اور ان کے راویوں اور احادیث کے درجات کی تعیین کی ہے مگر کئی احادیث کے متعلق انہیں بھی یہ لکھنا پڑا۔ "**لم اجد لھا اسنادًا**". علامہ مرتضٰی زبیدیؒ نے بھی "**اتحاف السّادة المتقین بشرح اِحیاء علوم الدین**" میں ان احادیث کی تخریج کرکے ان پر محدثانہ کلام کیا ہے ۔

ذخیرہ احادیث میں سے موضوع احادیث کی تحقیق پر محدثین کی تصانیف میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جو کتب صوفیہ میں پائی جاتی ہیں ان کتب موضوعات میں سے ابن الجوزیؒ کی "**العلل المتناهية فی الاخبار الواهية**" اور "**الموضوعات الکبریٰ**" سیوطی کی "**اللاآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة**"، ملا علی القاریؒ کی "**الموضوعات الکبیر**" قاضی شوکانیؒ کی "**الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة**"، علامہ طاہر پٹنیؒ کی **تذکرة الموضوعات** اور ابن عراقؒ کی اس موضوع پر جامع تصنیف "**تنزیة الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة**" قابل ذکر ہیں جن میں ضعیف اور موضوع احادیث کی نشاندہی کی گئی ہے۔

کتب الاحادیث المشتہرۃ میں بھی (جو کہ ان احادیث کی تحقیق پر مشتمل ہیں جو لوگوں میں مشہور اور زباں زدعام ہیں مگر ان کی سندوں کا علم نہیں ہوتا) اس قسم کی کچھ احادیث کی تخریج مل جاتی ہے جو صوفیانہ حلقوں میں مشہور ہیں اس موضوع پر زرکشیؒ کی "**التذکرة فی الاحادیث المشتهرة**" ابن حجر کی "**اللاآلی المنثورة فی الاحادیث المشهورة**" کے علاوہ شمس الدین سخاویؒ کی "**المقاصد الحسنة فی الاحادیث المشتهرة علی الالسنة**" زیادہ مشہور ہیں۔

مثنوی مولانا رومؒ جو بزبان فارسی شاعرانہ اسلوب میں صوفیانہ ادب کا اہم مأخذ ہے ایک ایرانی فاضل بدیع الزمان فروز انفر مرحوم سابق استاد دانشگاہ تہران نے مثنوی کی تمام احادیث کی "احادیث مثنوی" کے عنوان سے عمدہ تخریج کی ہے۔(۳۴)

احادیث تصوف کی تدوین وتحقیق پر سب سے جامع کام ہمارے ممدوح حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ہے جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ صوفیانہ ادب جو کہ مختلف تصانیف، ملفوظات اور مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ضعیف اور موضوع احادیث سے خالی نہیں اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ نقد حدیث

صوفیہ کا موضوع نہیں رہا ، احادیث کی تحقیق راویوں کی چھان بین اور جرح وتعدیل ایک مستقل فن ہے اور صوفیہ کو اصلاح نفس و تربیت باطن میں انہماک کی بناء پر اس سے مناسبت نہ تھی اس لیے احادیث کی نقل و روایت کے معاملے میں اسناد کی جو اہمیت محدثین کے ہاں مسلم ہے صوفیہ اس پر خاص توجہ نہ دے سکے بلکہ بعض اپنی سادہ دلی اور طبعیت کی پاکیزگی کی بناء پر جرح و تعدیل کو غیبت سے تعبیر کرنے لگے جیسا کہ ابوحاتم رازیؒ کو مشہور صوفی یوسف بن حسینؒ نے الجرح و التعدیل پڑھاتے دیکھا تو کہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سو یا دو سال پہلے جنت میں داخل ہوچکے ہیں اور تم ان کا ذکر کرکے ان کی غیبت کرتے ہو۔(۳۵)

صوفیہ نے حسن ظن کی بناء پر بھی بہت سے احادیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جنہیں زنادقہ نے وضع کیا ہے یا جاہل واعظوں نے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ صوفیہ کی بنسبت عجالۂ نافعہ میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔(۳۶)

جس کی بناء پر صوفیہ کے ہاں احادیث کی نقل و روایت میں صحت کا وہ معیار قائم نہ رہ سکا۔ جو محدثین کے ہاں قائم ہے ناقدین حدیث نے نقد حدیث کے اصولوں کی روشنی میں صوفیہ کی کتابوں میں موجود احادیث کا تجزیہ کیا اور ان پر سخت نقد و جرح کی۔ صوفیانہ طرز و اسلوب کی مشہور زمانہ تصنیف ''احیاء علوم الدین'' میں امام غزالی م ۵۰۵ھ نے احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ نقل کیا ہے مگر وہ اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود ضعیف اور موضوع احادیث کی بناء پر تنقید کا نشانہ بنی ابن جوزیؒ نے امام غزالیؒ کے حدیث سے عدم اشتغال کی بناء پر اسے باطل احادیث سے مملو قرار دیا۔(۳۷) ابن تیمیہؒ کے نزدیک اس میں مشائخ و صوفیہ کا بہت سا کلام کتاب و سنت کے مطابق ہے اور اس کا اکثر حصہ قابل قبول ہے مگر اس میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی موجود ہیں۔(۳۸) تقی الدین سبکیؒ نے غزالی کی بے سند احادیث پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے جو تقریباً ایک سو دوصفحات پر محیط ہے(۳۹) مگر بعد کے محدثین مثلاً حافظ زین الدین عراقیؒ اور علامہ مرتضٰی زبیدیؒ نے اپنی تخاریج کے ذریعے ان کی تعداد کو کافی حد تک کم کر دیا ہے۔ تصوف پر ابوطالب مکیؒ کی ''قوت القلوب''میں بھی خطیب بغدادیؒ، ابن جوزیؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ محدثین نے موضوعات کی نشاندہی کی ہے۔(۴۰)

مشہور صوفی اور محدث ابونعیم اصبہانیؒ کی ''حلیة الاولیاء'' کے متعلق بھی محدثین کی یہ رائے ہے کہ اس میں بکثرت موضوع روایات درج ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مشہور کتب تصوف **صفوة التصوف**، **عوارف المعارف**، **بهجة الاسرار**، **کشف المحجوب** وغیرہ میں بھی ضعیف اور موضوع روایات ملتی

ہیں۔

یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ ناقدین حدیث میں سے ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ نقد حدیث میں متشدد ہونے کی حیثیت سے بھی معروف ہے بالخصوص اول الذکر نے تو بہت سی صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے۔[۴۱] اس کے ساتھ ساتھ نقد تصوف میں بھی انہوں نے اپنے قلم کو خوب استعمال کیا ہے اپنی تصانیف میں صوفیاء پر نقد و جرح کے ساتھ ساتھ ان کی نقل کردہ کئی ایک روایات کو کمزور اور موضوع بتلایا ہے اس لیے ان روایات کے نقد و میزان میں ان کی آراء سے استفادہ تو کیا جاسکتا ہے مگر ان پر کلی اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ خود بڑے بڑے محدثین وعظ و نصیحت ، اصلاح باطن اور فضائل و رزائل کے موضوع پر نقل کردہ احادیث کے بارے میں صحت کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رکھ سکے۔ (جو کہ صوفیانہ ادب کا اہم حصہ ہیں) مثلاً ابن جوزیؒ نے نقد حدیث میں اپنے تشدد کے باوجود اپنی تصانیف "تلبیس ابلیس"، "ذم الھویٰ"، "التبصرہ" اور "المولدالنبیّ" وغیرہ میں بکثرت ضعیف موضوع اور منکر احادیث نقل کردی ہیں۔

ذھبیؒ علم حدیث کے مشہور ناقد ہیں مگر ان کی کتاب " الکبائر " میں ضعیف احادیث موجود ہیں۔ نوویؒ جو کہ حدیث کے معاملہ میں بہت محتاط واقع ہوئے ہیں اور عموماً ضعیف اور موضوع احادیث کو بغیر تنبیہ ذکر نہیں کرتے مگر ان کی کتاب "الاذکار" میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں۔ سیوطیؒ بھی احادیث کے معاملہ میں متساہل مشہور ہیں، ان کی تصانیف بالخصوص "الخصاص الکبریٰ" اور "الجامع الصغیر" وغیرہ میں ہر قسم کی رطب و یابس احادیث جمع ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ضعیف و موضوع احادیث کی نقل و روایت صرف حلقہ صوفیہ تک محدود نہیں بلکہ خود ناقدین حدیث اور بڑے بڑے محدثین سے بھی بعض مخصوص موضوعات پر احادیث کے معاملے میں تساہل ہوا ہے۔ احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔

" اذا روینا عن رسول اللہ ﷺ فی الحلا ل و الحرام والسنن والاحکام تشددّ نا فی الاسانید واذا روینا عن النبیّ ﷺ فی فضائل الاعمال ومالایوضع حکما ولایرفعہ تساھلنا فی الاسانید."[۴۲]

(جب ہم رسول ﷺ سے حلال و حرام اور سنن احکام سے متعلق احادیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں سخت رویہ اختیار کرتے ہیں اور جب فضائل اعمال میں اور ان امور سے

متعلق جن سے کوئی حکم وضع یا رفع نہیں ہوتا ، روایت کرتے ہیں تو ہم اسانید میں تساہل برتتے ہیں)

ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

"یجوز عند اهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید وروایة ماسوی الموضوع من انواع الاحادیث الضعیفة من غیر اهتمام ببیان ضعفها فیما سوی صفات الله تعالیٰ و احکام الشریعة من الحلال و الحرام وغیرهما ، وذالک کالمواعظ و القصص وفضائل الاعمال وسائر فنون الترغیب والترهیب وسائر مالا تعلق له بالاحکام والعقائد.[۴۳]

(محدثین وغیرہم کے نزدیک موضوع کے سوا احادیث ضعیفہ کے تمام انواع کی اسانید میں ضعف کے بیان میں عدم اہتمام جیسا تساہل جائز ہے لیکن صفات الہیہ اور حلال و حرام جیسے احکام شریعت میں تساہل جائز نہیں یہ تساہل مواعظ ،قصص اعمال ، ترغیب و ترہیب کی تمام اقسام اور دیگر سب معالات جن کا تعلق عقائد سے نہیں، میں جائز ہے)

اس باب میں خود محدثین کے تساہل کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ بعض زہاد نے ترغیب و ترہیب اور زہد و ورع سے متعلق احادیث گھڑنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی اور کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ خود اس قسم کے واضعین نے حدیث گھڑنے کا اعتراف کیا۔[۴۴]

صوفیہ کے ہاں احادیث کی نقل و روایت میں تساہل سے تو انکار نہیں کہ وہ بعض اوقات دوسروں کی وضع کردہ روایات کو محض حسن ظن کی بناء پر قبول کر لیتے تھے اور اسی بناء پر محدثین نے بھی صوفیہ کی احادیث کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا ہے مگر یہ دعویٰ تسلیم کرنے میں تأمل ہے کہ انہوں نے خود احادیث وضع کی ہیں جب کہ ابن حجرؒ نے بعض متصوفین کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب کے لیے احادیث گھڑنا مباح سمجھتے تھے۔[۴۵]

صوفیہ کی طرف وضع حدیث کی یہ نسبت اس لیے بھی درست نہیں کہ اکابر صوفیہ میں سے جنہیں زہد و ورع میں کمال اور طریقت میں رسوخ حاصل ہے کسی پر یہ الزام عائد نہیں کیا گیا۔ حلقہ صوفیہ میں سے ذوالنون مصریؒ اور ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ اس حوالے سے متہم ہیں[۴۶] مگر اس پر کوئی مستند شہادت موجود نہیں۔

احادیث تصوف پر حضرت تھانویؒ کی تصانیف:

تصوف و سلوک سے متعلق احادیث کی بڑی تعداد حضرت تھانویؒ کی تصانیف و مواعظ میں موجود ہے مگر اس موضوع پر آپ کی مستقل دو تصانیف تاریخ حدیث و تصوف میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ ان میں سے ایک "التشرف بمعرفة احادیث التصوف" اور دوسری "حقیقة الطریقة من السنة الانیقة" کے نام سے معروف ہے جو کہ حضرت تھانویؒ کی ایک اہم تصنیف "التکشف عن مھمات التصوف" کا اہم حصہ ہے ، ان تصانیف سے آپ کا مقصد محض احادیث کی جمع و تدوین ہی نہیں بلکہ ان کا ایک محدث، فقیہ اور صوفی کی حیثیت سے عارفانہ، مجتہدانہ اور ناقدانہ جائزہ بھی ہے۔ حقیقت الطریقہ کی تالیف سے آپ کا مقصد احادیث سے مسائل تصوف کو ثابت کرنا ہے۔ اور التشرف میں آپ نے اسی فن کے مسائل سے متعلق احادیث کی تخریج و تحقیق کی ہے۔ ان کا اسلوب و تعارف حسب ذیل ہے۔

(ا) التشرف بمعرفة احادیث التصوف:

یہ کتاب حدیث اور تصوف و احسان کا حسین امتزاج ہے یہ ان احادیث کا مجموعہ ہے جو صوفیہ کی تصانیف اور ان کے کلام میں وارد ہوئی ہے یا جن سے تصوف کے کسی مسئلہ پر استدلال کی جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں ان احادیث کی تحقیق کے ساتھ ساتھ ان کی روشنی میں تصوف و سلوک کے متنوع مسائل مثلاً عبادات ، اخلاق، آداب، مجاہدات ، اشغال و اعمال اور اوراد و اذکار وغیرہ زیر بحث آئے ہیں۔ کتاب کی تمہید میں حضرت تھانویؒ نے اس کی تصنیف کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے کہ یہ ان احادیث کی تحقیق ہے جو حضرات صوفیہ کی زبانوں پر یا ان کی تقریرات میں مشہور ہے اور ان کی کتابوں میں شائع ہوئی ہیں ایسی احادیث کو خشک اور متشدد حضرات موضوع قرار دیتے ہی ان کا یہ موضوع قرار دینا یا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان احادیث کی سند معلوم نہیں ہوتی یا پھر ان کے مضمون کو مخالف شرع خیال کرتے ہیں۔[۴۷] آپ نے روایتی اور درایتی پہلوؤں سے اس پر بحث کی ہے ، ضعیف اور موضوع احادیث (وہ احادیث جو دراصل حدیث نہیں اور حدیث کے نام سے مشہور ہوگئی ہیں) ان کا بھی آپ نے محققانہ جائزہ لیا ہے اس کتاب کے اہم ماخذ صحاح ستہ کے علاوہ عراقیؒ کی تخریج احیاء العلوم ، سخاویؒ کی مقاصد حسنہ، سیوطیؒ کی جامع الصغیر ، اور مناوی کی ''کنوزالحقائق '' ہیں مذکورہ کتب کے حوالوں کے ساتھ ساتھ آپ نے احادیث کے اصل مراجع اور بنیادی مآخذ کی بھی نشاندہی کی ہے۔

التشرف چار حصوں میں مشتمل ہے ، پہلا حصہ احادیث احیاء العلوم سے متعلق ہے جس کے چار اجزاء میں عبارات نمبر ۲ عادات نمبر ۳ منجیات نمبر ۴ مہلکات-عبادات کے ضمن میں کتاب العلم، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوۃ کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب آداب القرآن، کتاب الاذکار و الدعوات کی احادیث درج کی گئی ہیں، عادات کے تحت کتاب آداب الاکل، کتاب النکاح، کتاب آداب الکسب والمعاش، کتاب الحلال والحرام ، کتاب آداب الالفۃ کتاب آداب العزلۃ اور کتاب السماع سے متعلق احادیث مندرج ہیں۔ مہلکات کے تحت کتاب عجائب القلب، کتاب تھذیب النفس، کتاب علاج شھوت و بطن، کتاب آفات اللسان ، کتاب مذمت غضب ، کتب مذمت بخل ، کتاب مذمت جاہ اور کتاب مذمت کبر کی احادیث ذکر کی ہیں۔

منجیات کے عنوان کے تحت کتاب التوبۃ، کتاب صبر وشکر، کتاب الخوف والرجاء ،کتاب الفقر و الزھد، کتاب توحید و توکل ، کتاب المحبۃ والشوق اور کتاب ذکر الموت کی احادیث نقل کی ہیں۔[۴۸] اس سلسلے میں آپ کا ماخذ عراقی کی "تخریج احادیث الاحیاء" ہے۔ آپ نے احیاء کی صرف ان احادیث کی تخریج کی ہے جن سے فن تصوف و سلوک کے مسائل کا اثبات ہوتا ہے۔ آپ صرف احادیث کی تخریج ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حدیث پر خود عنوان قائم کرتے ہیں پھر حدیث کی تخریج اور بعدازاں اس سے متعلقہ فائدہ کی توضیح فرماتے ہیں۔

مثلاً فضل العلم و وجوبہ کے عنوان کے تحت درج ذیل تین احادیث کی تخریج کی ہے:

۱. "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" ابن ماجة من حدیث انس و ضعفه احمد والبیهقی وغیرهما

۲. "اطلبوا العلم ولوکان بالصین"، ابن عدی والبیهقی فی المدخل والشعب من حدیث انس قال البیهقی متنه مشهور واسانیده ضعیفة

۳. "الدال علی الخیر کفاعله" الترمذی من حدیث انس وقال غریب ورواه مسلم وابوداؤد و الترمذی وصححه عن ابن مسعود البدری بلفظ من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله .

بعدازاں ان احادیث سے متعلق فائدہ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یہ تینوں حدیثیں علم سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت پر دال ہیں اور اس میں جہلاء صوفیہ کی اصلاح ہے جو علم کی مذمت کیا کرتے ہیں اور اس کو مقصود کا حجاب سمجھتے ہیں۔"[۴۹]

اسی طرح چلّے کی اصل کے بارے میں "اصل الاربعین" کا عنوان قائم کرکے اس کے ذیل میں حلیہ ابونعیم کی حدیث ابو ایوب نقل کی ہے۔

"من اخلص لله اربعين يوماً ظهر ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه".
(جو شخص چالیس دن اللہ تعالی کے لیے اخلاص اختیار کرے، حکمت (علم) کے چشمے اس کے قلب سے اس کی زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں)

اس حدیث سے متعلقہ فائدہ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اصل ہے چلہ کی (کیونکہ اس کا حاصل بھی چالیس روز تک اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا ہے) اور برکات ہیں چلہ کے اور اثبات ہے علم لدنی کا کیونکہ جس علم کا اس میں ذکر ہے بلاواسطہ کسب و ثمرہ عمل و اخلاص کا ہے۔"(۵۰) اس قسم کے چند دیگر عنوانات حسب ذیل ہیں۔

الولولةوالعشق(۵۱) اصل بعض القاب الصوفيه(۵۲) صحة الالهام(۵۳) الاعتدال فى المجاهدة(۵۴) فضل الفقر(۵۵) تمنى الموت شوقاً.(۵۶)

التشرف کا حصہ دوم ان احادیث کی تخریج پر مشتمل ہے جو مثنوی معنوی کے دفتر اول اور دفتر ششم یا اس کی بعض شروح مثلاً کلید مثنوی میں موجود ہیں۔ اسی حصہ میں حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق "مقاصد الحسنه" کی بھی بعض احادیث کی تخریج و تحقیق کی گئی ہے۔(۵۷)

حصہ سوم و چہارم میں زیادہ تر احادیث "جامع الصغیر" سے اور کچھ "کنوز الحقائق" سے لی گئی ہیں۔(۵۸) جو احادیث کا بہ ترتیب حروف تہجی مجموعہ ہیں۔ حصہ سوم (جو کہ تمام تر ردیف "الف" پر مشتمل ہے) میں مسائل السلوک سے متعلقہ احادیث یکجا کی گئی ہیں جب کہ حصہ چہارم ردیف "ب" سے "ی" تک کی احادیث پر مشتمل ہے۔(۵۹) حصہ چہارم حصہ سوم کی بہ نسبت مختصر ہے غالباً کم فرصتی کی بناء پر اس حصہ میں حسب سابق احادیث جمع نہیں ہوسکیں۔ آخری دونوں حصوں میں ہر حدیث نقل کرنے کے بعد اس کے مآخذ کا پورا نام ذکر کرنے کی بجائے مختصرات کے ذریعے حدیث کا مرجع اور درجہ وغیرہ متعین کیا گیا ہے۔ مذکورہ حصوں کی احادیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ آپ نے ان پر جو عنوانات قائم کئے ہیں ان سے موضوع استدلال، مستنبط شدہ مسئلہ اور احادیث میں مضمر فوائد کی طرف راہنمائی ہوتی ہے، مثلاً چند عنوانات درج ذیل ہیں۔ حسن اخلاق الصوفيه(۶۰) بطلان مذهب الاباحية(۶۱) التعديل بين الكبر وبين الغلو فى التواضع(۶۲) تسهيل علاج الغضب(۶۳) عدم الغلو فى المجاهدة(۶۴) وغیرہ۔

کتاب مذکور کے پہلے تین حصوں میں حضرت تھانویؒ نے کتاب کا متن عربی اور اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا ہے اصل عربی متن کو "**التشرف بمعرفة احادیث التصوف**" سے موسوم کیا ہے اور اس کے اردو ترجمہ کو "**تکمیل التصرف فی تسهیل التشرف**" کا عنوان دیا ہے ، مگر چوتھے حصہ میں ماسوائے احادیث کے عربی متن کو اختصار کے پیش نظر حذف کر دیا اور حدیث کے عربی متن کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ اور متعلقہ مسائل وتحقیقات صرف اردو میں تحریر کرنے پر اکتفا فرمایا۔

اس کتاب کا سلسلہ تالیف ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۵۲ھ تک پھیلا ہواہے یہ کتاب رسالہ''الہادی'' (جس میں حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف شائع ہوتے تھے)[۶۵] میں جمادی الاول ۱۳۴۳ھ سے اقساط کی صورت میں شائع ہوتی رہی اور ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ میں مکمل ہوئی بعدازاں اللجنۃ العلمیۃ، حیدرآباد ، انڈیا سے (جو کہ چار سو اڑتالیس صفحات پرمشتمل ہے) باقاعدہ کتابی صورت میں طبع ہوئی۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے نزدیک "التشرف" سے پہلے احادیث تصوف میں مستقل کتاب سننے میں نہیں آئی ان کے خیال میں یہ موضوع تا ہنوز تکمیل اور کسی صاحب ہمت کی تحقیق کا متقاضی ہے کیونکہ اس میں جملہ احادیث تصوف کا استیعاب نہیں ہوا۔[۶۶]

(۲) حقيقة الطريقة من السنة الانيقة:

یہ احادیث تصوف پر حضرت تھانویؒ کی دوسری اہم تصنیف ہے جو "**التکشف عن مهمات التصوف**" کا اہم حصہ ہے جس کی حیثیت ایک مستقل تصنیف کی ہے۔ حدیث و تصوف کی اہم خدمت پرمشتمل یہ کتاب ۱۳۲۷ھ میں تصنیف کی گئی، اس میں تصوف سے متعلق تیرہ عنوانات یعنی اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات ، علامات، فضائل، عادات و آداب، رسوم، ، مسائل، اقوال ، توجیہات، اصطلاحات اور متفرقات کے ضمن میں تین سوتیں احادیث ذکر کی ہے اور ان سے تصوف کے مذکورہ موضوعات پر روشنی ڈالی ہے اولاً عربی متن حدیث اردو ترجمہ کے ساتھ ذکر کی ہیں اور ان سے تصوف کے مذکورہ موضوعات روشنی ڈالی ہے۔ اولا عربی متن حدیث اردو ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے بعدازاں حدیث سے اخذ شدہ فوائد ومسائل تصوف کی اردو میں تحقیق کی گئی ہے، مثلاً آپ نے بیعت کے موضوع پرمسلم، ابوداؤد اور نسائی کی ایک حدیث تخریج کی ہے حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبیﷺ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات آپ نے فرمایا! کہ تم رسولﷺ سے بیعت نہیں کرتے ہم نے اپنے ہاتھ پھیلائے دیے اور عرض کیا کہ کس امر پر بیعت کریں یا رسول اللہ ؟ آپؐ نے فرمایا! کہ ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور

اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو اور ایک بات آہستہ فرمائی وہ یہ کہ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو ،راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دیدے۔

اس حدیث سے آپ نے تین مسائل کو ثابت کیا ہے۔ ایک تو بیعت طریقت جو دراصل معاہدہ ہے التزام احکام و اہتمام اعمال ظاہری و باطنی کا جسے بعض اہل ظاہر بدعت کہتے ہیں اور بیعت اسلام اور بیعت جہاد ہی کو سنت سے ثابت قرار دیتے ہیں مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات ہے کہ مخاطبین صحابہؓ ہیں اس لیے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں بلکہ بدلالت الفاظ واضح ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لیے ہے۔

دوسرا مسئلہ تعلیم خفی للمصلحۃ کا ہے جیسا کہ اکثر مشائخ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم دیتے ہیں یا تو اس لیے کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا ہے اس کے اظہار میں افتتان و اضلال عوام کا ہوتا ہے یا مقصود خصوصیت و اہتمام ہوتا ہے کہ اس میں طالب کے دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے جیسا کہ حضورﷺ نے ایک امر خفی طور سے فرمایا۔ تیسرا امتثال حکم شیخ میں مبالغہ کا اثبات ہے۔ اکثر مریدین بمقتضائے طبیعت مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ رعایت معنی کے ساتھ مدلول ظاہر الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں۔

اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کہ حضورﷺ کی مراد دوسرے کی چیز مانگنے سے منع کرنا تھا نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے مگر احتمال لفظی کی بھی رعایت کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے اثناء خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابی دروازہ سے آرہے تھے سن کر وہاں ہی بیٹھ گئے حالانکہ مقصود حضور کا یہ تھا کہ اندر آکر موقع پر بیٹھ جاؤ کھڑے مت رہو، یہ شعبہ ہے غایت احترام و تأدب شیخ کا جو کہ استفادہ باطنی کے لیے شرط اعظم ہے۔(۶۷)

احادیث کے تحت مندرج فوائد پر آپ نے جو عنوانات قائم فرمائے ہیں ان میں سے مندرجہ درج ذیل ہیں:۔

تکلم برموز غیر مفہمہ (۶۸) علم وھبی (۶۹) کشف و کرامت (۷۰) حکمت بعض انواع قبض (۷۱) کشف و کرامت (۷۲) عدم منافات وسوسہ کمال را، (۷۳) ترک نکاح و گوشہ نشینی (۷۴) وجد و استغراق (۷۵) حرمت سماع و رقص متعارف۔ (۷۶)

حضرت تھانویؒ کے نزدیک **حقیقۃ الطریقہ** سے مقصود امرِ حق یعنی اعتدال بین الافراط و تفریط کی یقین و تحقیق ہے کیونکہ بعض متشددین کا ملین و اہل حق کے بعض اقوال یا افعال و احوال کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر انہیں مخالف سنت قرار دے کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور بعض ضعیف الاعتقاد ناقصین و اہل باطل کے تمام اقوال و افعال احوال کو بلا تطبیق شریعت قبول کر کے اور ان کی صحبت و خدمت اختیار کر کے ان کے محبّ و معتقد بن کر اپنا دین ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لیے قرآن و حدیث سے طریقت کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے تا کہ اہل کمال پر انکار نہ ہو اور ناقصین پر اعتقاد نہ ہو۔(۷۷)

''**حقیقۃ الطریقۃ**'' کے ساتھ ایک دوسرا رسالہ بھی ملحق ہے جو ''**النکت الدقیقہ فیما یتعلق بالحقیقہ**'' کے نام سے موسوم ہے اس میں **حقیقۃ الطریقۃ** کے برعکس مسئلہ کو مقدم اور اس کی مؤید حدیث کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ اس حصہ میں کل ۲۵ احادیث کی تشریح و تحقیق ہے جن میں سے چار احادیث ''**حقیقۃُ الطریقۃ**'' میں بھی گزر چکی ہے ان کے علاوہ کل اکیس احادیث مذکور ہیں۔ اس طرح ''**حقیقۃ الطریقہ**'' کی ۳۳۰ اور ''**النکت الدقیقۃ**'' کی ۲۱ احادیث کا مجموعہ کل ۳۵۱ احادیث ہیں۔ یہ کتاب ۲۴۹ صفحات پر مشتمل ہیں۔

(۳) متفرقات:

مذکورہ کتب کے علاوہ احادیث تصوف کی ایک معقول تعداد آپ کی دیگر تصانیف رسائل، مواعظ، فتاویٰ اور ملفوظات وغیرہ میں بھی منتشر ہے جنہیں آپ نے تصوف کی تائید میں بطور استدلال ذکر کیا ہے۔ یا اس سے متعلقہ مسائل کی کتاب و سنت کی روشنی میں محققانہ تشریح و تحقیق کر کے حق تحقیق ادا کیا ہے۔ مثلاً تصرف کی تحقیق پر آپ کا رسالہ ''**التعرف فی تحقیق التصرف**'' جس میں آپ نے ثبوت تصرف پر مختلف آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے البتہ ان روایات سے استعمال تصرف کے مسنون ہونے کے استدلال کو دلائل کے ساتھ غلط ثابت کیا ہے اور اس کی بعض مضرتوں کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔(۷۸)

احادیث تصوف پر حضرت تھانویؒ کی تحقیقات کا تعارف:

حضرت تھانویؒ کی حدیث اور تصوف کے امتزاج اور شریعت و طریقت کی تطبیق پر مبنی تحقیقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کے مطالعہ میں اس نمایاں علمی کام کے جو اہم اور امتیازی پہلو سامنے آتے

ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ احادیث تصوف کا انتخاب

ب۔ احادیث تصوف کی تخریج وتحقیق

ج۔ احادیث سے تصوف وسلوک کا اثبات اور صوفیاء کاملین کے اعمال واحوال کی تائید

د۔ احادیث کی روشنی میں تصوف کی تطہیر وتنقیح اور جاہلانہ تصوف و رسومات کی تردید

ان موضوعات سے متعلق تحقیقات کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

ا۔ احادیث تصوف کا انتخاب:

حضرت تھانویؒ نے ''حقیقۃ الطریقۃ'' میں جن احادیث کا انتخاب فرمایا ہے وہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ التشرف میں مقاصد الحسنہ، جامع الصغیر اور کنوز الحقائق سے احادیث لی ہیں احیاء العلوم اور مثنوی سے بھی احادیث کو جمع فرمایا ہے، ان احادیث کا بیشتر حصہ کلام صوفیہ میں منتشر ہے۔

زہد و رقاق اور مذمت دنیا کے موضوعات پر تو اس سے قبل بھی احادیث کا انتخاب ہوتا رہا مگر ایسا انتخاب جو تصوف کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ سالکین طریقت کی سنت کی روشنی میں علمی و فکری راہنمائی اور اصلاحی ضرورتوں کو پورا کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو مرتب نہ ہو سکا۔

حضرت تھانویؒ کی مذکورہ تصانیف نے اس ضرورت کو کافی حد تک پورا کر دیا ہے۔آپ کے اس انتخاب میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جن سے صوفیاء نے اس سے قبل استدلال نہیں کیا اور بظاہر ان احادیث کی مستنبط شدہ مسائل سے کوئی مناسبت بھی نظر نہیں آتی مگر آپ ان سے اس فن کے بعض دقیق مسائل اخذ کرتے ہیں۔

''التشرف'' کی تمہید ہے مصنف موصوف نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس میں بعض ایسی روایات بھی جمع کی گئی ہیں جن سے بعض مسائل مشہور فن تصوف کے ثابت ہوتے ہیں مگر وہ روایات فن کی کتابوں میں (**من حیث الاستدلال علی المسائل**) مذکور نہیں اور نہ ہی مذکورہ حیثیت سے اہل فن کی زبانوں پر ان کا تذکرہ ہوتا ہے اور بعض ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کی اصل نہیں ملی تاہم انہیں اس لیے ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کسی کو ان کی اصل مل جائے اور اس میں ملحق کر دے۔(۷۹)

آپ کے نزدیک تصوف چونکہ تعمیر ظاہر و باطن کا نام ہے لہذا کوئی آیت اور حدیث اس سے خالی نہیں ہوسکتی۔ ہر آیت اور حدیث میں کوئی نہ کوئی مسئلہ تصوف کا ضرور مذکور ہے مگر آپ نے صرف انہی احادیث کا انتخاب فرمایا ہے جن کی نسبت خصوصیت کے ساتھ تصوف کی طرف عام طور پر معروف ہے۔ آپ کے بقول یہ انتخاب بھی اس موضوع سے متعلق سب احادیث سے نہیں ہوا بلکہ ایک متوسط مقدار سے ہوا ہے۔[۸۰] اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ مجموعے بھی تمام احادیث تصوف کا احاطہ نہیں کرتے بلکہ اس انتخاب میں مزید اضافے کی گنجائش موجود ہے۔

"**حقیقة الطریقة**" میں منتخب کی جانے والی احادیث کی تعداد ۳۵۱ ہے جب کہ "التشرف" میں اصل احادیث کی تخریج وتحقیق کے ضمن میں بھی متعدد احادیث مذکور ہیں اس لیے مجموعی طور پر ان کی تعداد بھی ایک ہزار سے زائد ہے۔

(ب) احادیث تصوف کی تخریج وتحقیق:

احادیث تصوف کے انتخاب کے ساتھ ساتھ حضرت تھانویؒ نے ہر دو مجموعہ ہائے حدیث کی تخریج وتحقیق بھی فرمائی ہے اور ان احادیث کے اصل ماخذ کی بھی نشاندہی کی ہے "التشرف" کے حصہ اول کی احادیث جوکہ "**احیاء العلوم**" سے لی گئی ہیں ا ن کی تخریج میں آپ کا مأخذ عراقی کی "**تخریج الاحیاء**" ہے۔ آپ نے احیاء کی تمام احادیث کے بجائے صرف ان حادیث کو لیا ہے جن سے خاص فن تصوف کے مسائل کا اثبات ہوتا ہے، حصہ دوم میں زیادہ تر ان حادیث کی تخریج ہے جو مثنوی کے دفتر اول اور ششم اور اس کی شرح کلید میں منقول ہیں۔

مثنوی رومی کے کئی ایک اشعار میں صراحتہ قرآنی آیات و احادیث کا حوالہ آیا ہے اور بعض میں ان کی ترجمانی کی گئی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ان اشعار میں موجود احادیث کی تخریج کی ہے مثلاً مثنوی کے مصرع "می بلرزد عرش از مدح شقی" (بدبخت آدمی کی مدح سے عرش کانپتا ہے) کے ضمن میں یہ حدیث تخریج کی ہے۔

> "**اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتزّالعرش**". **رواه البيهقی فی شعب الايمان كذا فی المشكوٰة.**[۸۱]
>
> (جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ غضبناک ہوتے ہیں اور عرش کانپنے لگتا ہے)

مثنوی ہی کے ایک شعر ؎

ہر کہ ترسید ازحق و تقویٰ گزید　　　ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

سے متعلق اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے جن کی ترجمانی مذکورہ شعر کے ذریعہ کی گئی ہے یعنی حدیث ''**من خاف اللّٰہ خوّف منه کل شیء**''(۸۲) (جو اللہ سے ڈرتا ہے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے) اور اس کے دیگر طرق اور مراجع کا بھی حوالہ دیا ہے۔(۸۳)

اسی طرح ''**استن حنانه**'' کے واقعہ کے مختلف اجزاء کی تائید میں بخاری، ترمذی، مسند احمد اور دارمی وغیرہ کی آٹھ احادیث پیش کی ہیں۔(۸۴)

ان احادیث کی تخریج اور ان کے درجات کی تحقیق و تنقید میں زیادہ تر ''**المقاصد الحسنه**'' سے استفادہ کیاہے اس کے علاوہ عراقی کی ''**تخریج احیاء**'' اور سیوطی کی ''**جامع الصغیر**'' کے حوالے بھی نقل کئے ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے پوری مثنوی کی احادیث کی تخریج کو موضوع نہیں بنایا اسی سلسلے کی ایک کاوش ایرانی فاضل بدیع الزمان فروزانفر کی ہے جنہوں نے پوری مثنوی کا احاطہ کرتے ہوئے احادیث مثنوی کی تخریج کی ہے اور ''احادیث مثنوی'' کے عنوان سے ایک عمدہ کتاب بزبان فارسی مرتب کی ہے تاہم حضرت تھانویؒ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ بعض احادیث کا درجہ بھی متعین کرتے ہیں، ان کے مختلف طرق کی وضاحت کرتے ہیں اور سندوں کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں، بعض احادیث کے متعلق ''قلت'' (میں کہتا ہوں) کے الفاظ کے ساتھ اپنی رائے بھی ذکر کرتے ہیں اور بعض کے آخر میں ''ف'' کے عنوان کے تحت اس حدیث سے استخراج کردہ اہم فائدے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

اس موضوع پر ''التشرف'' اور ایرانی فاضل کی ''احادیث مثنوی'' کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر تصنیف میں کئی ایک احادیث کی تخریج میں زیادہ وسعت نظر سے کام نہیں لیا گیا اور تخریج احادیث میں بعض ان اہم مأخذ سے استفادہ نہیں کیاگیا جن میں مشہور اور زبان زد عام احادیث کی تخریج کی گئی ہے اور جن کی سندوں کا عموماً علم نہیں ہوتا جیسے زرکشی کی ''**التذکرة فی الاحادیث المشتهرة**'' اور سخاوی کی ''**المقاصد الحسنة**''. ان کتب سے حضرت تھانویؒ نے زیادہ استفادہ کیا ہے۔

اس تقابلی موازنہ کی ایک مثال درج ذیل شعر ہے :

گفت پیغمبر بآواز بلند　　　　بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

(پیغمبرؐ نے بآواز بلند فرمایا کہ توکل کے ساتھ اونٹ کے گھٹنے بھی باندھ دو)

فروز انفر مرحوم نے اس شعر سے متعلقہ حدیث کا مأخذ صرف "احیاء العلوم" کو قرار دیا ہے(۸۵) جب کہ اس سے متعلقہ حدیث متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔ حضرت تھانویؒ اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" فی المقاصد حدیث "اعقلها و توکل" روی الترمذی فی الذهد وفی العلل والبیهقی فی الشعب وابونعیم فی الحلیة وابن ابی الدنیا من حدیث المغیرة بن ابی قرة السدوسی سمعت انسًا یقول قال رجل یا رسول اعقلها واتوکل اواطلقها واتوکل قال اعقلها وتوکل یعنی الناقة".

بعد ازاں اس حدیث کے دیگر طرق اور درجہ پر بحث کی ہے۔(۸۶)

کتاب کے حصہ سوم اور چہارم میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ نقل کردہ احادیث کے مآخذ اور درجہ کی نشاندہی مخففات (ABBREVIATION) کے ذریعہ کی گئی ہے مثلاً بخاری کے لیے (خ) مسلم کے لیے(م) ابوداؤد کے لیے (د) ترمذی کے لیے (ت) نسائی کے لیے(ن) ابن ماجۃ کے لیے (ہ) مسند احمد کے لیے (حم) مستدرک حاکم کے لیے (ک)، مسند ابویعلی کے لیے (ع) دارقطنی کے لیے (قط) وغیرہ اور حدیث کے درجات کی تعیین کے لیے بھی یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔صحیح کے لیے (صح) حسن کے لیے (ح) اورضعیف کے (ض)۔

"التشرف" میں کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن کے متعلق حضرت تھانویؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ ان پر مطلع نہیں ہوسکے مثلاً حدیث "**حب الوطن من الایمان**".(۸۷) (وطن کی محبت ایمان میں داخل ہیں) اس کے متعلق یہی تبصرہ فرمایا ہے(۸۸) اور حدیث "**الدنیا مزرعة الآخرة**"(۸۹) کے متعلق صاحب "مقاصد الحسنہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "میں اس پر آگاہ نہیں ہوا، مگر اس کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ اس کا مضمون قرآن مجید میں موجود ہیں "**وابتغ فیما اتک اللہ الدارالاخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا**"(۹۰) (اللہ تعالیٰ نے تجھ کو (دنیا میں) جو دے رکھا ہو اس میں آخرت کی جستجو کر اور دنیا میں اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر۔(۹۱)

ضعیف و موضوع روایات کے متعلق حضرت تھانویؒ کا مؤقف:

صوفیہ کے کلام میں موجود ضعیف اور موضوع احادیث کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اپنے مؤقف کو کسی مرتب شکل میں تو پیش نہیں فرمایا تاہم اس قسم کی روایات کی تنقیح سے متعلق مواد کے مطالعہ سے آپ کے نقطہ نظر کی وضاحت درج ذیل نکات سے ہوسکتی ہے۔

۱۔ یہ مواد ضعیف، موضوع اور بے اصل روایات سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا اسی لیے آپ احادیث کے ضعف کی طرف (ض) کے ساتھ اشارہ فرماتے ہیں(۹۲) اور موضوع کے متعلق اپنی محققانہ رائے کے ساتھ ساتھ ناقدین فن کی آراء ذکر کرے ان کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ اس طرح آپ نے متعدد موضوعات کی نشاندہی فرمائی ہے مثلاً متعدد صوفیاء و مشائخ کے نزدیک حضورﷺ سے خرقہ کی نسبت متصل اور معنعن حدیث سے ثابت ہے، جسے صوفیاء غیر محققین نے خرقہ کی اصل کی تائید میں بطور سند پیش کیا ہے۔(۹۳) حضرت تھانویؒ نے اس کے بے اصل ہونے پر ناقدین حدیث کی آراء نقل کی ہیں اور خود ان کی رائے کے مطابق اثبات خرقہ کے جتنے طریق ہیں ان میں سے ایک بھی ثابت نہیں اور کسی خبر صحیح، حسن یا ضعیف میں وارد نہیں ہوا کہ نبیﷺ نے اس صورۃ متعارفہ بین الصوفیہ پر اپنے کسی صحابی کو خرقہ پہنایا ہو اور نہ کسی صحابی کو یہ حکم دیا کہ وہ ایسا کریں اور جو کچھ اس باب میں صریح روایتیں آئی ہیں سب بے اصل ہیں، حضرت تھانویؒ "لبس خرقه" کو مسنون کے بجائے امر مباح اور رسم صالح قرار دیتے ہیں جو بہت سے مصالح پر مبنی ہے جیسے فارغین علوم درسیہ کو عمامہ باندھنا اہل مدارس میں ایک رسم ہے۔(۹۴)

صوفیاء کے ہاں ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ ابو محذورۃ نے حضورﷺ کے سامنے محبت الہیہ پر مبنی یہ اشعار پڑھے تھے۔

قد لسعت حیة الھویٰ کبدی　　فلا طبیب لھا ولا راقی

الاّ الحبیب الذی شغفت به　　فعنده رقیتی و تریاقی

آپ یہ اشعار سن کر وجد میں آگئے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک شانہ مبارک سے گرگئی۔(۹۵) اس روایت کے متعلق آپ نے ابن تیمیہؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ قصہ باتفاق محدثین غلط ہے اور جو کچھ اس باب میں مروی ہے سب موضوع ہے تاہم فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں، ''یہ سماع (وجد و تواجد) علماء صوفیہ کے نزدیک اغراض محمودہ کے لیے ایک امر فی نفسہ مباح ہے مگر خاص شرائط کے ساتھ جو ان کے نزدیک مقرر ہیں۔(۹۶)

حدیث ''مسح العینین'' یعنی اذان میں اشھد ان محمدا رسول اللہ کے جواب میں ''اشھد ان محمد ا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربّاً وبالاسلام دینًا وبحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا'' کہہ کر شہادت کی دونوں انگلیوں کے پوروں کے اندرونی حصہ کو چوم کر دونوں آنکھوں پر پھیرنے سے متعلق روایات کی صحت کا آپ نے انکار کیا ہے، جن میں اس عمل کی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ اس عمل پر شفاعت ثابت ہوگی اور آنکھیں آشوب اور کوری سے محفوظ رہیں گی آپ کے نزدیک مشائخ سے اس بارے میں کچھ اقوال منقول ہیں۔آپ قواعد شرعیہ کی رو سے اس عمل کا حکم یہ بتلاتے ہیں کہ اگر یہ عمل باعتقاد ثواب کیا جائے جس کی کوئی دلیل ثابت نہیں ہوئی تو بدعت اور زیادت فی الدین ہے اور اس زمانہ میں جو لوگ یہ عمل کرتے ہیں ان میں سے اکثر کا یہی اعتقاد ہے سو اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر صحت بدنیہ (یعنی حفاظت چشم) کی نیت سے کیا جائے تو وہ ایک قسم کی طبی تدبیر ہے سو وہ نفسہ جائز ہے لیکن اگر یہ سبب ہو جائے ایہام قربت کا جیسا عوام زمانہ سے یہی احتمال ہے تو اس مطلقاً منع کیا جائیگا۔(۹۷)

اسی طرح ایک روایت ''ان بلا لا کان یبدل الشین فی الاذان سینا'' (بلالؓ شین کی جگہ اذان میں سین کہتے تھے) کو ابن کثیر کے حوالے سے بے اصل قرار دیا ہے ، اور حدیث ''ما من نبی مبنی الابعد الاربعین'' (کوئی نبی چالیس برس سے کم میں نبی نہیں بنائے گئے) کو ابن الجوزی کے حوالے سے موضوع کہا ہے۔(۹۸) آپ کے نزدیک روایت ''بعثت فی زمن الملک العادل'' (میں عادل بادشاہ (نوشیروان) کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوں) بھی بے اصل ہے۔(۹۹)

۲۔ نقد حدیث میں آپ ائمہ حدیث کے مقلد نہیں بلکہ آپ کے نزدیک بہت سی ضعیف اور موضوع روایات بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے درست قابل قبول اور محل استدلال ہیں (جن کی مثالیں آگے آرہی ہیں) اور محض نقد اسناد کی روشنی میں ان پر وضع کا حکم لگانا درست نہیں۔ مثلاً

(ا) بعض احادیث کی توجیہ آپ یوں کرتے ہیں کہ یہ لفظاً موضوع ہیں معناً نہیں یعنی جن الفاظ کے ساتھ وہ احادیث منقول ہیں وہ ثابت نہیں البتہ ان کا مضمون دوسری احادیث سے مؤید ہوتا ہے جیسے حدیث ''لولاک لما خلقت الافلاک''،(۱۰۰) (اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کو صغانیؒ اور عسقلانیؒ نے موضوع کہا ہے حضرت تھانویؒ اس کی اصل کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ سے نہیں ملی مگر اس کا مضمون اس حدیث سے ثابت ہے جسے دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں ابن عباسؓ سے روایت ہے ''یقول اللہ وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت

الدنیاولما خلقت الجنة'' (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قسم ہے میری عزت اور جلال کی (اے محمد) اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو اور جنت کو پیدا نہ کرتا)(۱۰۱) عداوت نفس سے متعلق صوفیہ کے ہاں یہ حدیث بہت معروف ہے ''**اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک**''(۱۰۲) (تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیری بغل میں موجود ہے) اس کی سند میں محدثین کے نزدیک محمد بن عبدالرحمٰن بن غزوان وضاعین حدیث میں شمار ہوتا ہے حضرت تھانویؒ کے نزدیک اس کا مضمون درست ہے اور قرآن سے مؤید ہے ''**ان النفس لامارة بالسوء**''(۱۰۳) (نفس بری بات کی بہت فرمائش کرنے والا ہے) اور بری بات کی فرمائش کرنا بڑے دشمن ہی کا کام ہے نیز دوسری حدیث ''**المجاهد من جاهد نفسه**'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔(۱۰۴)

صوفیانہ حلقوں میں مقبول و معروف حدیث ''**الفقر فخری وبه افتخر**'' (فقر میرا فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں) کو ابن تیمیہؒ ابن حجرؒ اور سخاویؒ وغیرہ ائمہ حدیث نے موضوع قرار دیا ہے۔(۱۰۵) آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میں کہتاہوں فقر کی فضیلت میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں اور فضیلت ہی کی چیزوں پر فخر ہوتا ہے پس یہ فخر والی حدیث فضیلت والی حدیثوں کی مدلول التزامی ہے'' (پس معناً بے اصل نہ ہوئی)۔(۱۰۶)

شوق اور محبت کے عنوان کے تحت حضرت تھانویؒ نے ''احیاء العلوم'' کی ایک حدیث نقل کی ہے:

> ''**یقول الله عز وجل لقد طال شوق الابرار الیٰ لقائی وانا الی لقائهم اشد شوقا**''
>
> (نیک بندوں کو میرے ملنے کا شوق بہت بڑھ گیا اور میں ان کے ملنے کا ان سے زیادہ مشتاق ہوں)۔

عراقیؒ وغیرہ نے اسے بے اصل قرار دیا ہے مگر آپ کے نزدیک اس کا مضمون صحیح حدیث میں وارد ہے۔ ''**من احب لقاء الله احب الله لقاه**''(۱۰۷) (جو شخص اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے) کیونکہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر ہے۔(۱۰۸)

حدیث ''**ریق المؤمن شفاء**'' (مؤمن کا لعاب شفاء ہے) کے متعلق فرماتے ہیں اس کا مضمون صحیح ہے (گو الفاظ ثابت نہیں) چنانچہ صحیحین میں حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے لعاب سے شفاء حاصل کرنے کی دعا مذکور ہے۔ **بسم الله تربة ارضنا بریقة بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا**(۱۰۹) آپ کے نزدیک اس سے سؤر المؤمن شفاء کا مضمون بھی ثابت ہوتا ہے اور اہل طریق کے ہاں بزرگوں کی کھائی ہوئی چیز سے برکت حاصل کرنے کا معمول بہت زیادہ ہے۔(۱۱۰)

حضرت تھانویؒ نے موضوع کے علاوہ کئی ضعیف احادیث کے مضمون کو درست قرار دیتے ہوئے ان سے استدلال کیا ہے کیونکہ ان کے مؤیدات قرآن و حدیث میں موجود ہیں جیسا کہ ''التشرف'' کی تمہید میں فرماتے ہیں: بعض اوقات ان روایات میں سے بعض میں ضعف بھی پاؤ گے مگر وہ ضعف اس لیے مضر نہ ہوگا کہ ان روایات سے جو مسئلہ اصل مقصود ہے وہ احادیث صحیحہ بلکہ آیات قرآنیہ سے مؤید ہے جیسا کہ فن کی مزاولت کرنے والے پر مخفی نہیں۔[۱۱۱]

(ب) بعض بے اصل اور موضوع روایات آپ کے نزدیک صوفیاء کے اقوال ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت روایت بالمعنی کی ہوتی ہے[۱۱۲] (یعنی راوی جب سنی ہوئی بات کے الفاظ کی بجائے معانی کی روایت کرے) جسے جمہور محدثین نے بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔[۱۱۳] اس قسم کے کئی اقوال کی حضرت تھانویؒ نے نشاندہی کی ہے جن کی حیثیت روایت بالمعنی کی ہے ۔ مثلاً ایک روایت ''من اراد ان یجلس مع الله فلیجلس مع اهل التصوف'' (جو اللہ کے ساتھ مجالست کرنا چاہے تو وہ اہل تصوف کے ساتھ مجالست اختیار کرے) سیوطیؒ نے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ اسے موضوع قرار دیا ہے[۱۱۴] مگر حضرت تھانویؒ اس کی توضیح میں فرماتے ہیں:

''حدیث میں یہ الفاظ تو منقول نہیں البتہ یہ قول دوسرے منقول الفاظ سے ماخوذ ہوسکتا ہے یعنی حدیث مشہور ''اناجلیس من ذکرنی''[۱۱۵] سے حق تعالیٰ کا جلیس اہل ذکر ہونا ثابت ہے...... اور یہ بھی واضح ہے کہ اگر ایک ہی شخص کے دو جلیس ہوں تو وہ باہم بھی جلیس ہوتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ ذاکر کا جلیس ہے اور دوسرا شخص بھی ذاکر کا جلیس ہے تووہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کا جلیس ہوا اور اہل ذکر و اہل تصوف مرادف ہیں تو اہل تصوف کے جلیس کا جلیس حق ہونا ثابت ہوگیا۔ اور یہی تفصیل حضرت مرشدیؒ کے ارشاد کی کہ حدیث میں اہل تصوف کا تو لفظ نہیں مگر اہل الذکر کا لفظ ہے...... غرض یہ روایت بالمعنی ہے جو کہ مثل روایت باللفظ کے معتبر ہے۔'' صوفیاء کے ہاں یہ شعر اسی مفہوم کی ترجمانی کررہا ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند درحضور اولیاء[۱۱۶]

ایک اور روایت ''موتوا قبل ان تموتوا'' (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگر اس کو حدیث بخاری و ترمذی ''وعدنفسک من اهل القبور'' (اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کر) کی روایت کو بالمعنی کہا جائے تو مستبعد نہیں اور اکثر صریح اقوال ان حضرات کے بنام حدیث جو مشہور ہیں اکثر ان کے مضامین احادیث میں وارد ہیں اس لیے صوفیہ کو وضاعین حدیث کہنا زیادتی ہے۔[۱۱۷]

(۳) صوفیہ کے کلام میں بعض احادیث پر کتب فن میں موجود نہ ہونے کی بناء پر حسب قواعد محدثین حدیث کا اطلاق نہیں ہوتا مگر حضرت تھانویؒ کے نزدیک اس قسم کی روایت کی توجیہ کی ایک صورت یہ ہے کہ جس طرح محدثین نے ''احادیث منامیہ' پر حدیث اسی طرح ممکن ہے کہ ان حضرات کو کشف سے ان کا حدیث ہونا ثابت ہوا ہو اور احادیث الہیامیہ پر اطلاق حدیث کا کر دیا ہو۔(۱۱۸)

حدیث بخاری ومسلم ''**من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل فی صورتی**''. (جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا) سے متعلقہ فائدہ میں حضرت تھانویؒ ان اہل ظاہر کی تردید فرماتے ہیں جو بعض صوفیہ کے کلام میں بعنوان حدیث پائی جانے والی بعض عبارتوں کی بناء پر انہیں وضاع حدیث سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے کشف یا منام (خواب) میں انہوں نے حضور پُرنور ﷺ سے کچھ ارشادات سنے ہوں اس لیے ان کو حضورﷺ کی طرف منسوب کر دیا خود محدثین نے احادیث منامیہ کو لفظ حدیث سے تعبیر کیا ہے جیسا امام صغانی نے ''**مشارق الانوار**'' میں حدیث ''**اذا وضع العشاء**'' الخ منام کے طریق سے نقل کی ہے اسی طرح احادیث کشفیہ کو حدیث کہنا صحیح ہے البتہ ان میں یہ شرط ہے کہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہوں۔(۱۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ حدیث منامی حضرت تھانویؒ یا صوفیہ کی اختراع نہیں بلکہ بعض محدثین نے اس کی روایت بھی کی ہے۔ حدیث منامی ''**اذا وضع العشاء الخ**'' جس کی طرف حضرت تھانویؒ نے اوپر اشارہ فرمایا ہے ۔ **مشارق الانوار** میں موجود ہے ، اس کے مؤلف صغانی نے خواب میں حضورﷺ کی زیارت اور آپؐ سے حدیث ''**اذا وُضع العشاء واقیمت الصلوة فابدؤا بالعشاء**'' (جب رات کا کھانا تیار ہو اور عشاء کی نماز کی اقامت ہو تو تم کھانے کی ابتداء کرو) کی صحت کے متعلق اپنے سوال کاذکر کیا ہے کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یعنی یہ حدیث صحیح ہے'')(۱۲۰)

صغانی نے ایک دوسرے مقام پر مردہ مچھلی کے حلال ہونے پر حدیث نقل کرنے کے بعد اس قسم کے ایک دوسرے خواب کو بطریق روایت نقل کیا ہے کہ خواب میں انہوں حضورﷺ سے سوال کیا۔ ''**یا رسول الله! ما تقول فی حوت میت رماہ البحر أحلال و ھو یتبسم الیّ نعم**'' (اے اللہ کے رسول! آپ مردہ مچھلی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جسے سمندر نے باہر پھینک دیا۔ کیا وہ حلال ہے؟ تو حضور ﷺ نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں حلال ہے)۔(۱۲۱)

حضرت تھانویؒ کی اس رائے کی تائید بعض دوسرے محققین صوفیہ وعلماء کے ذریعے بھی ہوتی ہے جن کے نزدیک حدیث کی صحت کا علم کشف اور الہام کے ذریعے بھی ممکن ہے اور انہیں کشفی و منامی طریقے سے روایت کیا جاسکتا ہے جیسا کہ عجلونیؒ ابن عربیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث طریق روایت کے لحاظ سے تو صحیح ہوتی ہے مگر جب صاحب کشف نے اسے رسول ﷺ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ غیر صحیح ہے تو اس کا موضوع ہونا معلوم ہوا اور اس پر عمل متروک ہوگیا اگرچہ بعض اہل نقل صحت طریق کی بناء پر اس پر عمل کرتے ہیں اور اکثر حدیث کے رواہ میں واضعین کی وجہ سے ضعف طرق ہوتا ہے تو اس پر عمل ترک کیا جاتا ہے لیکن وہ اصلاً صحیح ہوتی ہے کیونکہ صاحب کشف اسے کشف یا خواب میں رسول ﷺ سے سنتا ہے''۔[۱۲۲]

اسی بناء پر شیخ ابن عربی نے حدیث ''**کنت کنزا مخفیا .. الخ**'' کی روایت کو نقل کی رو سے غیر ثابت اور کشف کی رو سے صحیح قرار دیا ہے۔[۱۲۳] شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی یہی نقطہ نظر رکھتے ہیں انہوں نے بھی کشف و منام کے ذریعے چالیس احادیث اپنے رسالہ ''**الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین**'' میں نقل کی ہیں جس کی ابتداء میں وہ فرماتے ہیں۔

هذا اربعون حديثا من احاديث النبی ﷺ التی تروىٰ من جهة الرؤيا اومن جهة مشاهدة روحه الكريمة جمعتها فی هذه الرسالة منها ما لا واسطة بينی وبينه ﷺ ومنها مايكون بينی وبينه ﷺ واسطة واحدة ومنها مايكون بينی وبينه ﷺ واسطتان اواكثر.''[۱۲۴]

ان روایات میں سے دسویں روایت شاہ ولی اللہؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

''**سالته ﷺ عن هذه المذاهب و هذه الطرق ايها أولی عنده بالاخذ واجب ففاض علی قلبی منه ان المذاهب والطرق كلها سواء لا فضل لواحد علی الآخر**''[۱۲۵]

حضرت تھانویؒ کا بطریق منام و کشف روایات کے بارے میں مؤقف سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ وہ اس قسم کی روایت کی صحت اور حجیت کے بھی قائل ہیں ان کا مقصود حضرات صوفیہ کی روایت کردہ ان احادیث کی توجیہ ہے جو محدثین کے اصولوں کے مطابق ثابت نہیں کہ یہ روایات کشفی یا منامی ہوسکتی ہیں اور ان پر حدیث کا اطلاق خود بعض محدثین نے کیا ہے ۔ تاہم ان کے اعتبار و قبول کے لیے انہوں نے یہ شرط بھی اوپر ذکر کردی ہے کہ وہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہوں اور ان کے مضمون قرآن یا احادیث سے مؤید ہو۔

دیگر محدثین کی طرح وہ خود بھی کشف کو حجت تسلیم نہیں کرتے مگر چونکہ اس قسم کی کئی ایک احادیث فنی حیثیت سے تو قابل اعتبار نہیں ہوتیں، مگر ان کا اصل مضمون ثابت ہوتا ہے خواہ خود اس روایت کی ذات سے خواہ دوسری کسی حدیث مؤید سے اس لیے آپ ان پر اعتراض کرنے میں تشدد کو مناسب نہیں سمجھتے۔(۱۲۶)

(۴) صوفیہ کے کلام میں بعض احادیث حقیقۃ موضوع ہیں (جن میں سے چند ایک کا حوالہ دیا جا چکا ہے)

حضرت تھانویؒ نے حضرات صوفیہ کی اس فن سے ناواقفیت اور غلبہ اور حسن ظن کی بناء پر ان کے نقل کرنے پر معذور قرار دیا ہے ایک حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں:

> ”کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حسن ظن سے کسی کتاب میں دیکھ کر یا کسی راوی سے جو بظاہر صالح تھا سن کر اس کو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا اور چونکہ ان میں حسن ظن غالب ہوتا ہے اور زیادہ تفتیش کی نہ عادت ہوتی ہے نہ مہلت، تنقید احادیث ان حضرات کا فن بھی نہیں اس لیے یہ غلطی معفو عنہ ہے“۔(۱۲۷)

اس قسم کی توجیہ آپ نے کئی ایک موضوع روایات کی تخریج کرتے ہوئے کی ہے کہ راوی نے اسے حسن ظن کی بناء پر نقل کر دیا ہے اور اس کی تصریح کی ہے کہ یہی عذر ان تمام غیر ثابت حدیثوں میں ہے جن کو صوفیہ اپنے کلام میں لے آئے ہیں۔(۱۲۸)

(ج) احادیث سے تصوف و سلوک کا اثبات اور صوفیاء کا ملین کے اعمال و احوال کی تائید:

احادیث تصوف کی تدوین کا ایک اہم مقصد تصوف وسلوک کو دلائل حدیثیہ سے مؤید کرنا اور صوفیاء کا ملین کے مختلف اعمال، اشغال و احوال کی تائید و تصویب ہے، آپ نے تصوف کے متعدد موضوعات پر احادیث کی روشنی میں کلام کیا ہے اور ان کی مشروعیت پر بحث کی ہے ، مثلاً ثبوت بیعت طریقت، بیعت غائبانہ مشائخ ، ذکر جہر، ذکر مفرد، جواز زیادت فی الاذکار، مراقبات، کرامت، کشف، شطح، قبض، سکر و حال، توسل اور عزلت وغیرہ، ضمنا صوفیاء کا ملین کے بعض اشغال و احوال کی احادیث سے تائید کی ہے جن پر بالعموم ناقدین تصوف کی طرف سے نقد و جرح کی جاتی ہے۔ ان تحقیقات نے تصوف و سلوک کی علمی و فکری بنیادوں کو مزید مستحکم کیا ہے۔ ان میں سے چند موضوعات

پر نمایاں تحقیقات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے حدیث میں آپ کی وسعت نظر کے ساتھ ساتھ آپ کا طرز استدلال قوت استنباط فقاہت اور اجتہادی ذوق بھی نمایاں ہے۔

ا۔ ثبوت بیعت طریقت:

صوفیاء کے ہاں اصلاح باطن اور تزکیہ و تربیت نفوس کے لیے کسی صاحب نسبت شیخ سے بیعت کو ضروری سمجھا جاتا ہے انہوں نے اپنے اپنے ذوق اور معیار کے مطابق شیخ کامل کی مختلف علامات ذکر کی ہے۔ حضرت تھانویؒ کے نزدیک شیخ کامل میں ان شرائط کا ہونا ضروری ہے:

ا۔ بقدرضرورت علم دین رکھتا ہو۔

۲۔ عقائد اعمال و اخلاق شرع کا پابند ہو۔

۳۔ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔

۴۔ کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔

۵۔ اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۶۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔(۱۲۹)

بیعت طریقت کے ثبوت میں حضرت تھانویؒ نے مسلم، ابوداوٗد اور نسائی کی حدیث عوف بن مالک اشجعیؓ کی تخریج کی ہے (جس کا حوالہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے) جس میں حضورﷺ نے اللہ کی عبادت ، شرک سے اجتناب، پانچوں نمازوں کی پابندی اور سمع و طاعت پر بعض صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔آپ اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید فرماتے ہیں، جو بیعت اسلام اور بیعت جہاد ہی کو سنت سے ثابت کرتے ہیں اور بیعت طریقت کو (جو دراصل معاہدہ ہے التزام احکام و اہتمام اعمال ظاہری و باطنی کو بدعت قرار دیتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا استدلال اس حدیث سے یہ ہے کہ مخاطبین چونکہ صحابہؓ ہیں اس لیے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں بلکہ بدلالت الفاظ واضح ہے کہ التزام و اہتمام اعمال کے لیے ہے ۔ گویا آپ کے نزدیک بیعت سے اصل غرض التزام احکام و اہتمام اعمال ہونا چاہیے۔(۱۳۰) دوسری جگہ وہ بیعت سے متعلق غلط تصورات اور فاسد اغراض کی نفی کرتے ہیں کہ اس سے مقصود نہ تو کشف وکرامت کی طلب ہونا چاہیے نہ یہ غرض کہ سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد شیخ ذمہ دار ہو جائے گا، اور خواہ کیسا ہی عمل کرتے رہو دوزخ سے نجات دلائے گا خود جناب رسول اللہﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا ''**یا فاطمة انقذی نفسک من النار**'' (مسلم) (اے فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچا) یہ ارادہ بھی

غلط ہے کہ ایک نظر سے شیخ کامل کر دے گا نہ محنت کرنا پڑے گی نہ معاصی کے ترک کا قصد کرنا پڑے گا۔ اگر اس طریق سے کام بن جاتا تو صحابہؓ کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول مقبولﷺ سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا ۔ آپ کے نزدیک بیعت سے نہ تو جوش و مستی نہ انوارات، کیفیات و احوال کا قصد صحیح ہے اور نہ ہی شیخ کے مجرب عملیات اور دعاؤں سے مقدمات وغیرہ دنیاوی امور میں مستفید ہونے کی غرض درست ہے آپ کے نزدیک اصل غرض بیعت سے رضاء حق ہونی چاہیے جس کا طریقہ احکام شرعیہ کا بجا لانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے، شیخ اس کی تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کار بند ہوتا ہے...... شیخ کی طرف سے اس کی تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اس کی اتباع کا عہد، یہی حقیقت ہے پیری مریدی کی۔[۱۳۱]

۲۔ بیعت غائبانہ مشائخ:

مشائخ کے ہاں یہ بھی رسم ہے کہ طالب کی درخواست بیعت پر جب کہ اسے شیخ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہ ملے، غائبانہ بیعت کر لی جاتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے بیعت غائبانہ کو حدیث ابوداود سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرتﷺ بدر کے دن کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ اللہ و رسول کے کام میں گئے ہوئے ہیں (حضورﷺ کی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے) ان کے لیے میں بیعت کرتا ہوں۔ آپؐ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی غیر حاضری کے باوجود ان کی رضا و رغبت کی وجہ سے انہیں بیعت فرمایا۔ حضرت تھانویؒ کے نزدیک اگرچہ یہ بیعت قتال کی تھی لیکن اقسام بیعت میں اس امر میں فرق کا کوئی بھی قائل نہیں۔[۱۳۲] دوسرے مقام پر بیعت رضوان کی حدیث سے بیعت غائبانہ کو ثابت کیا ہے۔[۱۳۳]

۳۔ ذکر مفرد کی مشروعیت:

ابن تیمیہؒ نے صوفیہ کے اسم ذات یا اسم مفرد (اللہ اللہ) کے ساتھ ذکر کو غیر مشروع قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:- "**لم یذکر ذالک احد من سلف الأمة ولاشرع ذالک رسول الله** ﷺ"[۱۳۴] (امت کے اگلوں میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ رسول اللہﷺ نے اسے مشروع ٹھہرایا ہے) حضرت تھانویؒ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''بعض کا اس طریق ذکر پر اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ لفظ مفرد ہے اس لیے نہ کسی معنی خبری کو مفید ہے نہ معنی انشائی کو پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ؟ آپ نے اس کی مشروعیت پر مسلم کی حدیث انس تخریج کی ہے "**لا تقوم الساعة حتی لایقال فی الأرض الله الله**" **وفی روایة** "**لا تقوم الساعة علی احد**

یقول الله الله". (قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت ایسے کسی شخص پر قائم نہ ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا)۔

آپ کے نزدیک اس حدیث میں خود اسی اِفراد کے ساتھ اس نام پاک کو معقول بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا کہ محض اسی کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنی کچھ خبروانشاء میں منحصر نہیں اگر اس سے تبرک و استحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید کیوں ہوگا، ارشاد خدوندی ہے "**واذکراسم ربک**"،(۱۳۵) ظاہر الفاظ سے محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے۔(۱۳۶)

ایک دوسرے مقام پر اس کی تحقیق میں فرماتے ہیں اس طریق ذکر (مفرد) کو طریق منقول صریح سے مفضول کہا جائے گا۔ لیکن عارض نفع خاص کے سبب (کہ وہ دفع وساوس و جمع خواطر ہے جو کہ مشاہد ہے) بعض کے لیے اس کو عملاً ترجیح دی جاسکتی ہے جیسا کہ ایسے ہی مصالح کے سبب ذکر جلی کو ذکر خفی پر کہ دلائل سے اس کا افضل ہونا ثابت ہے اس طرح اعلان صدقہ کو اخفا، صدقہ پر بعض کے لیے عملاً راجح ہونے کو فقہاء نے لکھا ہے اور اگر مستنبط بھی نہ کیا جیسا ابن عبدالسلام کی رائے ہے مگر تاہم منہی عنہ بھی نہیں اور مشاہدہ سے اس کا جمع خواطر میں جو کہ مامور بہ ہے معین ہونا معلوم ہے پس مثل دیگر تدابیر امور مطلوبہ شرعیہ کے یہ بھی مطلوب ہوگا۔(۱۳۷)

۴۔ جواز زیادت فی الاذکار:

مسنون اذکار میں اضافے کے جواز کو حضرت تھانویؒ نے حدیث ابن عمرؓ سے ثابت کیا ہے "رسول اللہ ﷺ **لبیک** میں کلمات مخصوصہ سے زائد نہ فرماتے تھے مگر حضرت عمرؓ "**لبیک و سعدیک و الخیر فی یدیک والرغباء الیک والعمل**" اور بڑھا دیتے تھے۔(۱۳۸) اور ایک روایت میں ہے کہ بعض لوگ ذا المعارج وغیرہ الفاظ بڑھا دیتے تھے اور حضور ﷺ سن کر کچھ نہ فرماتے تھے"۔(۱۳۹) حضرت تھانویؒ اس حدیث کے ذریعہ بعض متشددین کے حضرات صوفیہ پر بعضے اذکار و اوراد کے ایجاد پر بدعت کے اعتراض کو رد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اس ایجاد کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ **لبیک** منقول پر جس قدر زیادت تھی وہ ایجاد ہی کی فرد ہے اور مرجح اس ایجاد جائز کا غلبہ ہے کسی حال کا یا قصد تحصیل ہے کسی حال کا البتہ بدعت وہ ایجاد ہے جو جزو دین بنا دیا جائے گو فی نفسہ وہ عمل مباح ہی کیوں نہ ہو اور اگر فی نفسہ بھی غیر مباح ہو تو اور بھی اشنع و اقبح ہے"۔(۱۴۰)

۵۔ ذکر میں ضرب، جہر اور ذکر الا اللہ کے جواز پر حدیث سے دقیق استنباط:

بعض حضرات ذکر میں ضرب ، جہر اور محض الااللہ کے تکرار پر اعتراض کرتے ہیں آپ نے

بخاری کی حدیث براء سے ان تینوں مسائل پر دقیق استنباط کیاہے۔حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے غزوہ خندق میں یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

والله لولا الله ماهتدينا ولا تصدقنا ولاصلينا

فانزلن سكينة علينا وثبت الاقدام ان لا قينا

ان الاولى قد بغى علينا اذا ارادوا فتنة ابينا

اور اس کے آخری کلمہ "ابینا ابینا"کو تکرار کے ساتھ اور آواز کو دراز اور بلند کرکے فرماتے تھے۔(۱۴۱) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی دلالت (ذکر میں) ضرب کی مشروعیت پر اس طرح ہے کہ بعض کلمات میں ضرب سے مقصود اثر خاص کا اہتمام ہے اور یہی اہتمام اثر خاص مقصود تھا حضورﷺ کا کلمہ "ابینا" کے تکرار اور جہر و مد صوت سے پس علت کے اشتراک سے حکم بھی متعدی ہوجائے گا اور یہ حدیث جس طرح مشروعیت ضرب پر معنی دال ہے اسی طرح جہر بالذکر و مدصوت بعض کلمات و تکرار بعض اجزاء کلام جیسے الااللہ بدون تکمیل جملہ پر بھی نصاً دال ہے مگر آپ نے صرف ایک جزو یعنی جزا کا جو کہ معمول ہے (یعنی ابینا) تکرار فرمایا بدون شرط کے جوکہ عامل ہے (یعنی "اذا ارادوا فتنة" کے بغیر) اس کے مشابہ ہے تکرار الااللہ معمول کا بدون لاالہ عامل کے۔(۱۴۲)

۶۔ ذکر جہر کی مشروعیت:

حضرت تھانویؒ نے ذکر جہر کی مشروعیت کو حدیث ابی داوٗد سے ثابت کیا ہے۔ حضورﷺ نے مسجد میں اعتکاف کے دوران لوگوں کو قرآن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا : "الاکلکم ینا جی ربه فلایؤذین بعضکم بعضاً ولایرفع بعضکم علی بعضٍ فی القرأة و فی الصلوة" (تم میں سے ہر شخص اپنے رب سے عرض معروض کر رہا ہے پس ایک دسرے کو پریشان مت کرو یعنی قرآن پڑھنے میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز مت بلند کرو۔ حضرت تھانویؒ اس سے ثابت کرتے ہیں کہ ایک تو ذکر جہر فی نفسہ مشروع ہے دوسرا یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے اس سے کہ کسی کو ایذاء اور تشویش نہ ہو...... اصل یہ ہے کہ عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے اور جہر فی نفسہ عبادت نہیں صرف اس میں بعض مصالح ہیں تاثر قلب، تقلیل خطرات (وساوس) وغیرہ لیکن اگر کسی کو ایذاء پہنچے تو ایذا رسانی سے جو مضرت باطنی ہوتی ہے وہ اس مصلحت سے زیادہ اشد ہے ۔ لہٰذا اس وقت اخفاء ضروری ہے۔ رہا یہ کہ اگر مفاسد و مصالح دونوں قسم کے عوارض نہ ہوں تو فی نفسہ جہر اولیٰ ہے یا خفی، تو احادیث سے افضیلت خفی کی معلوم ہوتی ہے۔(۱۴۳)

۷۔ مراقبہ:

صوفیاء کے اشغال میں مراقبہ کو خاص اہمیت حاصل ہے یعنی ذات و صفات حق تعالیٰ یا کسی مضمون خاص کی طرف تدبر تام سے متوجہ ہوجانا اور اس کا تصور قلب میں مواظبت کے ساتھ جمانا یہ مراقبہ کہلاتا ہے۔(۱۴۴) حضرت تھانویؒ نے مختلف احادیث سے اسے ثابت کیا ہے ، مثلاً ترمذی کی حدیث ابن عباسؓ میں ہے۔ "**قال ابوبکر یا رسول الله قد شبت قال شیبتنی هود والواقعة**" (حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ: آپ تو بوڑھے ہوگئے۔ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سورہ ہود اور سورہ واقعہ نے بوڑھا کردیا) حضرت تھانویؒ کے نزدیک یہ اثر خشیت کا ہے کہ جوان سے بوڑھا کردے تفکر دائم و توجہ قوی پر موقوف ہے اس سے عمل مراقبہ کا اثبات ہوتا ہے۔(۱۴۵)

دوسرے مقام پر یہی مضمون دوسری حدیث ابن عباس سے ثابت کیا جس کی تحرج رزین نے کی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "**کنت ردیف رسول الله ﷺ فقال یا غلام احفظ الله تجده تجاهک**" (میں رسولﷺ کے ساتھ ایک مرکب پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا: اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کا خیال رکھا کرو۔ اس کو اپنے سامنے پاؤ گے) حدیث کے تحت مندرج فائدہ میں فرماتے ہیں:

''احفظ اللہ کا جو مطلب ہے وہی حاصل ہے مراقبہ کا جو اہل طریق کے عادات لازمہ سے ہے۔ رہ گئی خاص ہیئت محض اس کے راسخ ہونے کے لیے ہے مقصود بالذات نہیں اس لیے اس ہیئت کے منصوص ہونے کی ضروت نہیں۔''(۱۴۶)

۸۔ کرامت:

حضرت تھانویؒ کے نزدیک کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو۔'' اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں اور غیر متبع سے صادر ہو تو استدراج ہے۔(۱۴۷)

کرامت کے وقوع اور اس کی صحت پر آپ نے بخاری کی حدیث انسؓ سے استدلال کیاہے:

"**کان اسید بن حضیروعباد بن بشرعند رسول الله ﷺ فی لیلة مظلمة فخرج من عنده فاذا بنورین بین ایدیهما فلما افترقا صارمع کل واحد منهما نور**"

(حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رسول اللہﷺ کے پاس ایک تاریک شب میں حاضر تھے پھر دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے سو ان دونوں کے آگے دو نور نمودار

ہوگئے جب دونوں جدا ہوئے تو ایک ایک نور ہر ایک ساتھ ہوگیا)۔[۱۴۸]

دوسرے مقام پر حدیث مسلم سے استدلال کیا ہے جو ابوھریرۃؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم لوگوں نے کوئی شہر ایسا سُنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں ہے اور دوسری جانب سمندر میں، لوگوں نے عرض کیا جی ہاں سنا ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک اس شہر پر ستر ہزار بنی اسحاق جہاد نہ کریں گے اور یہ لوگ جب وہاں اتریں گے تو نہ ہتھیار سے لڑیں گے اور نہ تیر پھینکیں گے صرف زبان سے کہیں گے **لاالہ الا اللہ واللہ اکبر**. پس (اس کے اثر سے) اس شہر کی وہ جانب گر پڑے گی جو سمندر میں ہے پھر دوبارہ کہیں گے **لا الٰہ الاّ اللہ واللہ اکبر**. سو اس کی دوسری جانب بھی گر پڑے گی۔ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں بعض معتزلی المشرب اولیاء کے کرامت کے منکر ہوتے ہیں۔ حدیث میں ان بنی اسحاق کی ایک بین کرامت کی خبر دی گئی ہے جو ان سے صادر ہوگی۔[۱۴۹]

۹۔ ثبوت کشف، کشف قبور و فیض باطنی از اہل قبور:

حضرت تھانویؒ نے مختلف احادیث مثلاً حدیث ترمذی ''**اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله**" (مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) نیز حدیث **ان لله تعالیٰ عبادا يعرفون النّاس بالتوسم**[۱۵۰] (اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ لوگوں (کی حالت) کو فراست سے پہچان لیتے ہیں) سے کشف کو ثابت کیا ہے[۱۵۱] مگر اس کے ساتھ ساتھ حدیث ابن صیاد سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اہل باطل کو بھی کشف کائنات و اشراف خاطر ہوسکتا ہے اس لیے یہ علامت ولایت کی نہیں۔ ابن صیاد کے قصہ میں ہے۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا کہ میں نے ایک بات دل میں چھپا لی ہے۔ (بتلاؤ کیاہے) دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ آیت دل میں سوچ لی۔ **يوم تاتی السمآء بد خان مبين**.[۱۵۲] ابن صیاد نے کہا کہ وہ درخ یعنی دخان ہے آپ نے فرمایا ذلیل و خوار رہ تو اپنی اس حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا۔[۱۵۳]

دوسرے مقام پر آپ نے کشف و الہام کے صحیح ہونے کے باوجود اسکی عدم حجیت کا ذکر کیا ہے۔[۱۵۴] حضرت تھانویؒ نے ایک حدیث سے کشف قبور کے وقوع کو بھی ثابت فرمایاہے۔ حدیث ترمذی ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے سو اس میں ایک آدمی معلوم ہوا جو **تبارک الذی بیده الملک**[۱۵۵] پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو ختم کیا وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس واقعہ کی خبر آپ کو دی۔ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت حفاظت کرنے والی ہے یہ سورت نجات دینے والی ہے یہی مردہ کو عذاب الٰہی سے نجات دیتی ہے"۔(۱۵۶)

۱۰۔ سُکر وصحو و غلبہ حال:

صوفیہ کے احوال میں سے کسی وارد غیبی کی بناء پر ظاہر و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔(۱۵۷) بعض صوفیہ نے سکر کی حالت کو صحو پر فضیلت دی ہے کیونکہ اس میں عجیب و غریب کیفیات و مشاہدات اور اسرار و علوم سے سابقہ پڑتا ہے مگر چونکہ اسی حالت میں شطحات کے وقوع کا بھی امکان ہے اس لیے ابن قیمؒ وغیرہ علماء نے اس حالت کے افضل ہونے کی نفی دلائل کے ساتھ ہے۔(۱۵۸) حضرت تھانویؒ کے نزدیک حالت سکر کا ملین پر بھی طاری ہوسکتی ہے مگر وہ غلبہ حال کے سبب معذور ہوتے ہیں ۔آپ نے "التکشف" میں حضرت عمرؓ کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے جو صحیحین میں ہے کہ جب حضورﷺ عبداللہ بن ابی کی نمازجنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپؐ کا کپڑا پکڑ لیا تھا کہ اللہ نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اس میں اختیار دیا ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کو بغض فی اللہ کے قوی ورود کی بناء پر ایسا حال طاری ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں رسول اللہﷺ سے قولاً و فعلاً کیا معاملہ کررہا ہوں جو صورۃ ادب سے مستبعد ہے سو ایسی حالت میں شارع نے معذور رکھا ہے پھر جب حالت صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرأت پر تعجب ہوا اور نادم ہوئے۔(۱۵۹)

حضرت تھانویؒ کے نزدیک کاملین پر بھی غلبہ حال ہوسکتا ہے، حتی کہ ملائکہ پر بھی آپ نے یہ استدلال حدیث ترمذی سے کیا ہے جو ابن عباسؓ سے مروی ہے حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ کوئی معبود برحق نہیں بجز اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ فرماتے ہیں: "**یا محمد لو رأیتنی وانا اخذ من وحال البحر وادسّه فی فیه مخافة ان تدرکه الرحمة**" حدیث کی توضیح میں آپ لکھتے ہیں، باوجود یہ کہ مدار قبول ایمان کا بعد اجتماع شرائط کے قلب پر ہے اگر وہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا تو زبان سے کہنا نافع نہیں ہوسکتا اور اگر وہ وقت قبول کا تھا تو عزم قلب کا فی تھا باوجود اس کے اس کے منہ میں کیچڑ دینا یہ بسبب غلبہ سکر کے تھا... اور سبب اس غلبہ کا غایت درجہ کا بغض فی اللہ تھا۔(۱۶۰)

۱۱۔ شطحات:

بعض صوفیہ سے نظماً یا نثراً غلبہ حال میں بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے او وہ شریعت پر منطبق نہیں ہوتے انہیں شطح و ادلال کہا جاتاہے۔ اس قسم کے کلمات مختلف اکابر صوفیاء مثلاً شیخ با یزید بسطامیؒ ، حسین بن منصور حلاجؒ، سہل بن عبداللہ تستریؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ وغیرہ سے منقول ہیں (جیسے بایزیدبسطامیؒ کا مشہور شطح "سبحانی مااعظم شأنی" اور حلاجؒ کا نعرۃ "اناالحق") شطحات کے متعلق بعض صوفیہ نے توقف اور سکوت کو ترجیح دی ہے اور اکثریت نے تاویل و توجیہ کو مگر ابن جوزی وغیرہ نے ان تاویلات کو خرافات کہہ کر انہیں مسترد کیا ہے۔[۱۶۱] حضرت تھانویؒ نے ان کے متعلق معتدل مسلک اختیار کیا ہے۔

آپ نے غلبہ حال میں شطح کے وقوع اور اہل شطح کے معذور ہونے اور ان پر مؤاخذہ نہ ہونے کو مختلف احادیث سے ثابت کیا ، مثلاً حدیث ترمذی " **الله افرح بتوبة عبده المؤمن من رجل نزل فی ارض دوية (الی قوله) فاذا راحلة عنده عليها زاده وشرابه ثم قال اللهم انت عبدی وانا ربک اخطأ من شدة الفرح.**" (اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے توبہ کرنے پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی چٹیل میدان میں پہنچ کر مقام کرے اور سو کر جو اٹھے تو اپنی سواری کا اونٹ نہ پائے اور نہایت پریشان ہو یہاں تک کہ بعد تلاش کے مایوس ہو کر مرنے کے لیے آمادہ ہو کر اپنے مقام پر آجائے اور اس میں آنکھ لگ جائے پھر آنکھ کھلنے کے بعد اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری کا جانور اس کے پاس کھڑا ہے اور اس پر اس کا سامان خورد و نوش موجود ہے پس (جوش خوشی میں) اس کے منہ سے یہ نکلا کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں ، مارے خوشی کے غلطی کر گیا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں اس حال کا اس کی نظیر سے معتبر ہونا اور نیز اس پر مؤاخذہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کے نقل کے بعد اس پر انکارنہیں فرمایا گیا۔[۱۶۲]

اسی قسم کا استدلال آپ نے مشہور واقعہ افک سے بھی کیا ہے جو صحاح میں موجود ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی برأت قرآن مجید میں نازل ہوئی تو ان کی والدہ نے کہا اٹھو اور حضورﷺ کے پاس جاؤ کہنے لگیں کہ واللہ میں اٹھ کر آپ کے پاس نہ جاؤں گی اور میں بجز خداتعالیٰ کے کسی کا شکریہ ادا نہ کروں گی۔

اسی نے میری برأت نازل فرمائی ۔"حضرت تھانویؒ کے نزدیک حضرت صدیقہؓ کا یہ کہنا اسی (شطحات) کے قبیل سے ہے جس کا منشا ایک خاص سبب سے شدت غم ہے وہ یہ کہ خود جناب رسول

مقبول ﷺ بھی بمقتضائے بشریت و عدم علم غیب اس معاملہ میں مشوش و متردد تھے اور حضرت صدیقہؓ کو اس تردد کی اطلاع تھی پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپؐ کو بھی شبہ ہے پس برأت کے نزول سے ان کو جوش آ گیا اور یہ جواب ان سے صادر ہوا چونکہ حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس لیے حدیث سے اہل شطح و ادلال کا معذور ہونا ثابت ہوگیا۔[۱۶۳]

۱۲۔ قبض و بسط:

صوفیہ کے ہاں محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت واستغنا کے وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا یا کسی مصلحت سے واردات کا انقطاع قبض کہلاتا ہے اور اس کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف وفضل کے ورود سے قلب کو سرو و فرحت ہونا۔[۱۶۴] حالت قبض و بسط کے وقوع پر حضرت تھانویؒ نے ان تین صحابہ کرامؓ کے واقعہ سے استدلال فرمایا ہے جو صحاح میں منقول ہے۔ یہ صحابہ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گے تھے (اس کی طرف قرآنی آیت **وعلی الثلثة الذین خلفوا حتیٰ اذاضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم**[۱۶۵] میں بھی اشارہ ہے) حضرت تھانویؒ کے نزدیک ان تینوں اصحاب کی حالت تنگی بھی قبض کی ایک صورت تھی جس کا سبب توقف قبول توبہ میں تھا جو آثار جلال سے ہے اسی حالت کو اس قصہ میں ''ضیق ارض وضیق نفس'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اسی واقعہ میں ان حضرات پر قبول توبہ کے بعد حالت بسط بھی وارد ہوئی چنانچہ حدیث میں مصرح ہے جس کا ادنیٰ اثر مبشر کو اپنا تمام لباس اتار کر دے دیتا ہے۔[۱۶۶]

حالت قبض کا اثبات آپ نے فترۃ وحی کے واقعہ سے بھی کیا ہے جو بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ابتداء نبوت میں جب کہ وحی میں توقف ہوا) س درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑوں کی بلندی پر سے گر کر جان دیدیں سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے کو گرانے کی غرض سے چڑھتے جبرئیل علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے اے محمدؐ (مغموم مت ہو) آپ اللہ کے رسول ہیں سچ مچ اس سے آپؐ کے قلب کو سکون ہوجاتا اور جی ٹھہر جاتا۔[۱۶۷]

۱۳۔ لطائف ستہ:

صوفیہ کے ہاں چھ لطائف (لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ نفس، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفی) مشہور ہیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے حضرت تھانویؒ نے ''ضیاء القلوب'' کے حوالے سے ابن ماجۃ کی حدیث ابی محذورہ سے ثابت کیا ہے کہ اس سے ان لطائف کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

"**ثم وضع (ﷺ) یده علی ناصیة ابی محذورة ثم امرھا علی وجھه من بین ثد ییه (وفی نسخة من بین یدیه) علی کبده ثم بلغت ید رسول الله ﷺ سرة ابی محذورة ثم قال رسول الله ﷺ بارک الله لک وعلیک(ابن ماجه باب الترجیع فی الاذان)**

(پھر حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک ابومحذورۃ کے مقدم راس پر (یعنی سر کے اگلے حصہ پر) رکھا پھر اس (ہاتھ) کو ان کے چہرہ پر سے گزارا، اسطرح سے کہ ان کے دونوں پستانوں کے درمیان سے (ہوتا ہوا) اور دوسرے نسخہ پر ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان جو جسم کی سطح ہے اس پر سے لگتا ہوا انکے جگر پر (گزرا) پھر حضور اقدس ﷺ کا دست مبارک ابومحذورہؓ کی ناف پر پہنچا پھر رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ہے اور تمہارے اوپر برکت فرمائے)۔

حضرت تھانویؒ کے نزدیک ان لطائف کا خاص خاص تعلق جسد مادی کے بعض بعض اجزاء سے ہے اور گو اصل دلیل ان تخصصات کی کشف ہے اور ورود نص پر موقوف بھی نہیں لیکن درجہ استیناس میں یہ حدیث ان مقامات کی طرف اس طرح مشیر ہوسکتی ہے کہ حضور ﷺ نے دست مبارک ایصال برکت کے لیے ان ہی خاص مقامات پر پھیرا پھر برکت کی دعا فرمائی سو یہ تو ضروری بات ہے کہ ان مقامات کو قابلیت للبرکت میں دوسرے مقامات پر ترجیح ہے اگر آپ نے قصداً ایسا کیا ہے تب تو ترجیح ظاہر ہے اور اگر اتفاقاً ایسا کیا تو اس اتفاق کا واقع ہونا خداساز ترجیح کی علامت ہے اور بعد انضمام کشف کے اس ترجیح کی بناء پر قریب وہی خاص تعلقات ہیں ان لطائف کے ان خاص خاص اجزاء جسد مادی کے ساتھ۔ آپ کے نزدیک ان لطائف میں سے بعض کا نام تو نصوص میں بھی مذکور ہے جیسے روح ، قلب، اور نفس اور بعض کا غیر مذکور ہے جیسے سر، خفی اور اخفی اور بعض نے ان کی مذکوریت کے دعویٰ کے لیے اتنا بعید تکلف کیا ہے جو قریب تحریف کے ہے۔(۱۶۸) اس کے علاوہ لطائف پر مستقل انتہائی محققانہ بحث اپنے رسالہ "القطائف من اللطائف" میں بھی کی ہے۔(۱۶۹)

۱۴۔ تجرد و ترک نکاح بمصلحت:

صوفیہ کی اکثریت نکاح کی فضیلت کی قائل ہے مگر بعض صوفیہ نے ترک نکاح یا تجرد کی فضیلت پر بعض احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ناقدین فن نے ان احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۱۷۰) حضرت تھانویؒ نکاح کی فضیلت اور اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں مگر ترک نکاح کے جواز پر بھی انھوں نے ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو عوف بن مالک الاشجعیؓ سے مروی ہے ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”انا وامرأۃ شفعاء الخدین کھاتین یوم القیامۃ امرأۃ امت من زوجھا ذات منصب وجمال حبست نفسھا علی یتامیٰ ھا حتی بانوا وماتوا۔“

(میں اور وہ عورت جس کے رخساروں کی رونق (محنت و مشقت سے) جاتی رہی ہو مثل ان دو انگلیوں کے (یعنی سبابہ و وسطیٰ کے قریب) ہوں گے قیامت کے روز یعنی وہ عورت جواپنے شوہر سے بیوہ ہوگئی اور شان وصورت والی ہے اور اپنے کو اپنے تیتیم بچوں (کی پرورش) کے لیے نکاح سے باز رکھا یہاں تک کہ وہ (بڑے ہو کر) الگ ہوگئے یا مر گئے)۔

اس حدیث کی توضیح میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں بعض درویش آفات تعلقات سے بچنے کے لیے یا مشغولی مع اللہ میں نقصان وخلل کے احتمال سے نکاح نہیں کرتے بعض قاصر الفہم ان پر طعن ترک سنت کا کرتے ہیں ۔ اس حدیث میں صریح اجازت بلکہ فضیلت ہے کہ جہاں بچوں کی اضاعت حقوق کا اندیشہ ہو نکاح نہ کرے بشرطیکہ اپنے دین کی حفاظت پر قادر ہو جیسا کہ عامہ نصوص سے معلوم ہے) جب بچوں کا ضیاع حق عذر ہے تو حق تعالیٰ کے حقوق و تعلقات خاصہ کا ضائع ہو جانا کیوں نہ عذر ہوگا (اور وہی شرط حفاظت دین یعنی کف نفس عن الحرام پر قدرت یہاں بھی معتبر ہے۔[۱۷۱]

حضرت تھانویؒ کے اس نقطہ نظر پر بعض ناقدین تصوف نے سخت جرح کی ہے آپ نے اس طرز استدلال کے ذریعہ ایک سنت بلکہ بعض حالت میں واجب و فرض کو رد کرنے کی کوشش کی ہے ان کے نزدیک آپ نے قرآن و حدیث سے ترک نکاح کے لیے عذر تلاش کرنے اور ترک نکاح کو ترک سنت کہنے والوں کو قاصر الفہم قرار دے کر بہت بڑی جسارت کی ہے۔[۱۷۲]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ نکاح کی سنیت اور فضیلت کے قائل ہیں البتہ وہ ترک نکاح کو بعض افراد کے لیے بعض مصالح اور اعذار کی بناء پر مخصوص شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں ۔ ”التشرف“ میں آپ نے اسی مضمون کے مشابہ ایک دوسری حدیث سے بھی استفادہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اس سے ثابت ہوا کہ باوجود نکاح کو سنت سمجھنے کے اگر کسی مصلحت معتد بہا عندالشرع کے سبب نکاح نہ کرے تو مضائقہ نہیں بلکہ وہ مصلحت اگر شرعا مطلوب ہے اور نکاح اس میں مخل ہوگا تو نکاح نہ کرنے میں زیادہ فضیلت ہے تو جن بزرگوں نے نکاح نہیں کیا ان پر اعتراض نہیں ہوسکتا کہ

وہ اپنی حالت کا اندازہ کر کے خانہ داری کے جھگڑوں کو تفرغ للعبادۃ کے لیے مخل سمجھتے تھے۔ خود فقہاء نے بعض احوال میں نکاح کو مکروہ اور حرام فرمایا ہے"۔ (۱۷۳)

اگرچہ آپ نے بعض مخصوص احوال میں بعض افراد کے لیے ترک نکاح کے جواز پر بلکہ فضیلت پر مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے مگر دوسرے مقام پر آپ نے ترک نکاح کو قربت سمجھنے کی مذمت کے عنوان کے تحت ایک حدیث تخریج کی ہے "من تبتل فلیس منا"(۱۷۴) (جو شخص نکاح سے انقطاع اختیار کرے (یعنی باوجود تقاضائے نفس و قدرت کے نکاح (نہ کرے) وہ ہمارے طریقے سے خارج ہے) اس حدیث کے تحت آپ نے ان صوفیوں کی مذمت کی ہے جو ترک نکاح کو قربت کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ البتہ انہوں نے عذر بدنی، مالی یا دینی کو اس مذمت سے مستثنٰی ٹھہرایا ہے اور دینی عذر یہ بتلایا ہے کہ نکاح کے بعد ضعف ہمت کے سبب دین کی حفاظت نہ کر سکے۔(۱۷۵)

لہٰذا اس قسم کے معذور کے لیے جس سے دین کے فرائض و واجبات کے ترک کا اندیشہ ہو ، ترک سنت (یعنی ترک نکاح) کے جواز میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ حضرت تھانویؒ کا مقصود مذکورہ حدیث سے تجرد کے جواز کو ثابت کرنا ہے نہ کہ اس فعل (تجرد) کے مسنون ہونے کا اثبات۔ ان کا منشاء صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض مصالح و اعذار کی بنا پر کسی سنت کو فرائض و واجبات کے ترک کے اندیشہ سے چھوڑ دینا مذکورہ حدیث کی روشنی میں نہ صرف جائز بلکہ خاص اس شخص کے لیے مستحسن ٹھہرے گا۔ لہٰذا اس قسم کے معذورین پر تارک سنت ہونے کا الزام لگانا درست نہیں۔

۱۵۔ عزلت و گوشہ نشینی:

اکثر اہل اللہ کی عادت یہ رہی ہے کہ خلق سے اختلاط کم رکھا ہے اور گوشہ نشین رہے۔ حضرت تھانویؒ نے صوفیہ کی اس عادت کو کئی احادیث کی رو سے جائز ٹھہرایا ہے ،مثلاً ان میں سے ایک صحاح کی حدیث جو ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا۔

"یار سول الله ای الناس افضل قال مؤمن مجاهد بنفسه وماله فی سبیل الله قیل ثم من قال رجل فی شعب من الشعاب یتقی الله ویدع الناس من شره"

(یا رسول اللہ !سب سے افضل کون شخص ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو مومن اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو سوال کیا گیا کہ پھر کون شخص افضل ہے ۔آپ نے فرمایا جو شخص (پہاڑ) کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہو اللہ سے ڈرتا ہوں اور خلق کو اپنے شر سے فارغ کر رکھا ہو)۔

حدیث کی توضیح میں فرماتے ہیں۔ اکثر اہل اللہ کی عادت رہی ہے کہ خلق سے اختلاط کم رکھا ہے اور گوشہ نشین رہے ہیں اس حدیث سے اس کی اجازت اور ایک درجہ میں افضیلت ثابت ہوئی ہے اور حدیث میں اس کے محل کی طرف بھی اشارہ کیا کہ جب اختلاط میں احتمال **ایصال شراً فی الخلق** کا ہوا اور اسی پر قیاس کیاجائے گا **وصول شر من الخلق** کو اور نیز حدیث مذکور ہی میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس شخص سے خیر و نفع عام زیادہ متوقع ہو اس کے لیے اختلاط افضل ہے چنانچہ مومن مجاہد کو صاحب عزلت سے افضل فرمایا اور یہی خلاصہ ہے تحقیق کا مسئلہ مجوث عنہا سے کہ جس شخص سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہو اس کے لیے جلوت بہت ہے او ر جس سے نفع متعلق نہ ہو اور جلوت میں احتمال اضرار یا تضرر کا ہو اس کے لیے خلوت بہتر ہے۔(۱۷۶)

۱۶۔ دفاع کلام صوفیہ:

حضرت تھانویؒ نے اپنی متعدد تصانیف میں صوفیہ کے نظم و نثر میں موجود کلام کی تائید و تاویل کی ہے۔ "**التشرف**" اور "**التکشف**" کے علاوہ اس موضوع پر مفصل مواد آپ کی دیگر تصانیف "**کلید مثنوی**"، "**عرفان حافظ**" رسالہ "**التنبیه الطربی فی تنزیه ابن العربی**" **السنة الجلیة فی الچشتیه العلیة**". وغیرہ میں موجود ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ خلاف شریعت اقوال و احوال کی کتاب و سنت کی روشنی میں تردید بھی آپ نے تحریروں میں جگہ جگہ کی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے "**التنبیه الطربی فی تنزیه ابن العربی**" کی فصل سوم میں اہل طریق کے کالم کے متعلق انتہائی معتدل مسلک کی وضاحت کی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ:

> "جن حضرات میں قبول کے علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علماء محققین کا حسن ظن بھی ہے ان کیساتھ ساتھ حسن اعتقاد رکھے اور ان کے کلام میں اگر کوئی امر ظاہراً خلاف سواد اعظم دیکھے تو اپنا اعتقاد اس کے موافق نہ رکھے نہ اس کو کسی کے سامنے نقل کرے نہ ایسی کتابون کا مطالعہ خود کرے جب تک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے کیونکہ ان حضرات کا مقصود عوام کے لیے تدوین نہیں ہے بلکہ عوام سے وہ خود اخفاء فرماتے تھے بلکہ اعتقاد تو سواد اعظم کے موافق رکھے اور اس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو تو تاویل کرے ورنہ یا غلبہ حال پر محمول کرے یا اعداء کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے یا مثل متشابہات کے اس کو مفوض بحق کرے اور بے سمجھے اعتراض اور گستاخی نہ کرے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے لیکن شریعت کے بے حد متبع تھے چنانچہ غیر معذور پر ان سے خود نکیر منقول ہے اور

> اسی لیے احکام میں ان سے کوئی ایسا امر منقول نہیں صرف بعض اسرار منقول ہیں جن کا مبنی ذوق کشف ہے اور تعبیر خاص اصطلاحات میں کی گئی ہے اور ان دونوں سے عوام و اہل ظاہر بے بہرہ ہیں اس لیے اس کلام کے معارض شریعت ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہیں کرسکتے گو رتبہ میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہوں اس لیے ان کو اجمالاً تسلیم کر لینا چاہیے ورنہ گستاخی سے سوء خاتمہ کا خوف ہے البتہ جو شخص ایسا ہی محقق ہو اس کو حق ہے کہ اس پر مفصلاً رد کرے خواہ درجہ اجتہادی تک خواہ ابطال تک۔''(۱۷۷)

حضرت تھانویؒ نے اپنی تحریروں میں اسی مسلک کی پیروی کی ہے ۔ آپ عشاق و صوفیہ کے کلام کی جو نقد واعتراض کا متحمل ہو کوئی نہ کوئی تاویل یا تائید تلاش کر لیتے ہیں مثلاً: اکثر عشاق کے کلام میں موت کی تمنا منقول ہے جو ظاہراً خلاف شرع معلوم ہوتی ہے کیونکہ حدیث صحاح ''**لایتمنینّ احدکم الموت من ضر اصابه**'' (تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کسی تکلیف کے سبب جو اس پر نازل ہو) حضرت تھانویؒ کے نزدیک اس حدیث میں من ضر اصابہ کی قید سے اس کے خلاف شریعت ہونے کا شبہ رفع ہوجاتا ہے کیونکہ یہاں نہی مقید ہے کسی ضرر سے تنگدل ہونے کے ساتھ اور جہاں یہ قید نہ ہو یہ نہی بھی نہ ہوگی۔ جب تک دوسری دلیل نہی کی نہ ہو اور ان حضرات کی تمنی محض شوقاً الی لقاء اللہ ہوتی ہے لہذا خلاف شرع نہ ہوگی۔ اور یہ ایک حال ہے جو آثار بسط سے ہے اور بعض پر ہبیت کا غلبہ ہوتا ہے وہ مانع تمنا ہوتی ہے۔(۱۷۸)

نیز حدیث بخاری سے تمناء موت کے اشتیاق کی اصل کو ثابت کیا ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

> **لما طعن حرام بن ملحان یوم بئر معونة قال (ای اخذ) بالدم هکذا فنضحه علیٰ وجهه ورأسه ثم قال فزت ورب الکعبة''**
>
> (جب حرام بن ملحان کو یوم بئر معونہ میں نیزہ لگا تو خوش ہو کر خون کو اسطرح لے کر اپنے چہرہ اور سر پر چھڑکا پھر کہا کہ قسم رب کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا)

اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''ان کے اس قول اور فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس عاشقانہ موت کی شدت سے تمنا اور اشتیاق تھا جس کے حصول پر شدت سے خوش ہوئے۔ نیز بعض عشاق کے کلام میں خون سے وضوء کرنے کا مضمون آیا ہے ،چہرہ پر خون ملنا اس مضمون کا پورا نقشہ ہے۔''(۱۷۹)

بعض صوفیہ کے کلام میں بعض معاصی پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے مثلاً ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن　　　آئین ماسینہ چو آئینہ داشتن
ہر آن کو غافل از حق یک زمان ست　　　در آں دم کافرست اما نہاں ست

اس مضمون کی تائید میں مسلم کی حدیث جابرؓ کو پیش کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بین الرجل وبین الشرک ترک الصلوة"

(آدمی اور شرک کرکے درمیان حد ترک صلوۃ ہے)

اس میں ترک صلوٰۃ کو کفر و شرک بتلایا ہے آپ کے نزدیک جو توجیہ حدیث میں ہے وہی ان کے کلام میں ہے۔(۱۸۰)

۱۷۔ غذاء معنوی کے ساتھ حیات کا اثبات:

حضرت تھانویؒ نے ایک حدیث سے اس دنیا میں بھی مومن کا بغیر غذائے حسی کے صرف غذائے معنوی پر زندہ رہنے کے امکان کو ثابت کیا ہے اور ایک حدیث مستدرک حاکم کی حضرت ابن عمرؓ سے تخریج کی ہے:

" طعام المؤمنین فی زمن الدجال طعام الملئکة التسبیح والتقدیس فمن کان منطقه یومئذ التسبیح والتقدیس اذهب الله عنه الجوع"

اہل مؤمنین کی غذا دجال کے زمانہ میں (صرف) تسبیح و تقدیس ہوگی سو جس شخص کا کلام اس روز تسبیح و تقدیس ہوگا اللہ تعالیٰ اس سے بھوک کو زائل کرے گا۔

آپ کے نزدیک زمانہ دجال کا حصر کسی دلیل سے ثابت نہیں لہذا بعض بزرگوں سے جو اس قسم کے واقعات منقول ہیں۔ ان میں استبعاد کی کوئی وجہ نہیں۔(۱۸۱)

۱۸۔ مشائخ کے مستعملات و آثار سے تبرکات کا ثبوت اور شرائط:

بزرگوں کے مستعملات و آثار سے تبرک حاصل کرنے کا معمول صوفیہ و مشائخ کے ہاں عام ہے۔ حضرت تھانویؒ نے متعدد احادیث سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ "التکشف" میں اس موضوع پر ترمذی کی روایت کبشہؓ نقل کی ہے کہ حضور ﷺ میرے یہاں تشریف لائے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی اسکے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا پس میں اٹھی اور اتنا چمڑہ کاٹ لیا (برکت کے لیے) اور رزین نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ میں نے اس چمڑے کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ بنا لیا کہ اس میں برکت کے

لیے پانی پیا کرتی تھی۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرماتے ہیں کہ جس چیز کو بزرگوں کا منہ یا ہاتھ یا بدن لگا ہو معتقدین اس کو تبرک سمجھتے ہیں۔ اس حدیث سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے البتہ اس میں اصلاح فرماتے ہیں کہ ''یہ جو عادت ہے کہ ایسی چیزوں کا بکثرت استعمال نہیں کرتے اگر یہ اس غرض سے ہو کہ زیادہ روز تک یہ تبرک باقی رہے تو مضائقہ نہیں اگر اس خیال سے ہو کہ یہ سوء ادب ہے تو یہ خیال بے اصل ہے ''**اشرب فیھا**'' میں کہ متبادر اس سے عادت شرب ہے اس خیال کی اصلاح ہے۔(۱۸۲)

اپنے رسالہ ''**السنة الجلیة فی الچشتیة العلیة**''. میں حضرت تھانویؒ نے قرآن میں بنی اسرائیل کے ذکر کردہ تابوت سکینہ (**ان ایة ملکه ان یأتیکم التابوت فیه سکینة من ربکم وبقیة مما ترک ال موسی وال هارون تحمله الملئکة**)(۱۸۳) سے اور متعدد احادیث سے صلحاء و مقبولین کے متبرک آثار سے برکت حاصل کرنے کو بطریق مشروع جائز قرار دیا ہے ان کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے۔

بخاری میں عثمان بن عبداللہ بن وہبؓ سے روایت ہے کہ مجھے میرے گھر والوں نے ایک پیالہ پانی کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیجا اور بات یہ تھی کہ جب کسی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری، تو ان کی خدمت میں ایک لگن بھیجا جاتا تھا پس وہ رسول ﷺ کا موئے مبارک نکالتیں جس کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ چھوڑا تھا پس وہ موئے مبارک پانی میں ڈال کر پلاتیں پھر وہ پانی پی لیتا۔''

مسلم کی روایت ہے اسماء بنت ابی بکرؓ سے کہ انہوں نے میرے لیے ایک جبہ سادہ کسروانیہ نکالا جس کے گریبان کی پٹی ریشم کی تھی او ر اس کے دونوں چاکوں کو ریشم کی گوٹ لگی ہوئی میں نے دیکھی اور انہوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے جو کہ حضرت عائشہؓ کے پاس تھا جب ان کی وفات ہوئی، تو میں نے اس کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور نبی کریم ﷺ اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے پس ہم اس کو بیماروں کے لیے دھوتے ہیں اس کے واسطے سے شفاء چاہتے ہیں۔ اور کتب ستہ میں ہے ام عطیہ سے زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے غسل اور تکفین کے معاملہ میں روایت ہے انہوں نے فرمایا پس حضور ﷺ نے اپنا تہہ بند پھینکا اور فرمایا کہ سب سے پہلے اس کو ان پر لپیٹ دو۔ شیخ نے کہا کہ یہ حدیث اصل ہے صالحین کے آثار و لباس سے برکت حاصل کرنے میں ۔ ان کے علاوہ قاضی عیاض اور نیل الشفاء کے حوالے سے بھی بعض روایات اس سلسلے کی نقل کی ہیں۔آخر میں فرماتے

ہیں۔ یہ سب معاملہ باب محبت و ادب سے ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بوجہ مشروع ہو جس میں احکام ادب ضائع نہ ہو۔ ان شرائط کی وضاحت میں مزید فرماتے ہیں کہ ” ان آثار و تبرکات کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف شرع نہ کیاجائے مثلاً ان کی عید نہ منائی جائے ۔لکھی ہوئی چیزیں قبر میں نہ رکھی جائیں (جیسے شجرہ یا عہدہ نامہ) ان تبرکات کی نذر نہ مانی جائے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے کچھ وقف نہ کیا جائے کیونکہ وقف کے لیے شرط یہ ہے کہ مصرف قربت ہو اور یہ مصارف متعارفہ خود بدعت ہیں تعظیم میں غلو نہ کیا جائے جس سے شرک و بدعت کی نوبت پہنچ جائے نہ کسی قسم کی اہانت کی جائے۔(۱۸۳)

(د) احادیث کی روشنی میں تصوف کی تطہیر و تنقیح اور جاہلانہ تصوف ورسومات کی تردید:

حضرت تھانویؒ نے تصوف کو قرآن حکیم کی روشنی میں منقح کیا اور ان بدعات اور خلاف سنت رسومات کو جو بعض جہلا یا پیشہ ورمتصوفین نے تصوف کے نام سے معاشرے میں مروج کر دی تھیں۔ چھانٹ کر الگ کیا نفس کشی توہم پرستی، شخصیت پرستی، قبر پرستی، چلے کشی، مراقبات، ذوقیات، کیفیات، خواب، مبشرات، مکاشفات، کرامات و تصرفات اور کچھ غیر مسنونہ اوراد و وظائف پر مبنی خانقاہی میراث جو صدیوں سے چلی آرہی تھی ، کی اصل حقیقت واضح فرما کر اور انہیں کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کر فیصلہ دیا کہ ان میں سے کونسی چیز کتاب وسنت سے ثابت ہے اور کونسی غیر ثابت کون سی مسنون ہے اور کونسی غیر مسنون ؟ اعمال مقصودہ کیا ہیں اور غیر مقصودہ کون سے ہیں؟آپ نے تصوف کی تطہیر و تنقیح کے ذریعہ اسے ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک صاف کرکے افراط و تفریط سے پاک معتدل مسلک پیش کیا۔ احادیث نبوی کی روشنی میں آپ کے تحریر کردہ علمی فیوضات کا دائرہ بہت وسیع ہے اس موضوع سے متعلق چند تحقیقات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں جن سے فن تصوف میں آپ کی تجدیدی مساعی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور جو آپ کے علمی رسوخ اور اجتہادی ذوق کا بھی بین ثبوت ہیں۔

ا۔ تصرف کی حقیقت اور اس کا علامت ولایت نہ ہونا:

توجہ باطنی کے ذریعے دوسرے شخص پر کوئی اثر ڈالنا جسے اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عوام بلکہ بہت سے خواص بھی اکثر غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کوئی اسے معیار ولایت و بزرگی سمجھ بیٹھا ہے کوئی سرے سے اس کا انکار کر رہا

ہے(۱۸۴) حضرت تھانویؒ نے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اور اس کے مستحسن اور غیر مستحسن ہونے اور نفع و ضرر کی حدود کو قواعد فقہیہ سے متعین فرمایا ہے اپنے رسالہ ''**التعرف فی تحقیق التصرف**'' نے تصرف کی مشروعیت وجواز پر قرآنی آیات کے علاوہ صحیح بخاری کی بدء الوحی کی حدیث کو تصرف کے ثبوت میں باعتبار دلالت زیادہ صریح قرار دیا ہے جس میں جبرئیل کے حضورﷺ کو تین مرتبہ دبانے کا ذکر ہے جو کہ تقویت قلب اور تحمل وحی کے لیے تھا، کیونکہ اس طرح دبانے کے ذریعہ دوسرے شخص میں کیفیت نوریہ پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کیفیت کا متحمل ہو سکتا ہے جو اس پر القاء کی جائے۔ حضرت تھانویؒ کے نزدیک قوۃ تصرف اکثر مجاہدات وریاضات نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس استعمال تصرف شرعا فی نفسہ مباح و جائز ہے مگر غرض ومقصود کے تابع ہے اگر غرض محمود کے لیے جیسے مشائخ صوفیہ کے ہاں اس کا استعمال ہے تو یہ محمود سمجھا جائے گا اگر کسی مقصد مذموم کے لیے ہو تو مذموم ہے آپ کے نزدیک تصرف ولایۃً بزرگی اور مقبولیت عنداللہ کی علامت نہیں بلکہ یہ قوت فاسق کافر میں بھی پیدا ہوسکتی ہے ۔ البتہ آپ کو مشائخ کے ہاں معمول تصرف کی سنیت سے انکار ہے وہ ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو استعمال تصرف کے سنت ہونے پر احادیث سے استدلال کرتے ہیں مثلاً حضورﷺ سے نقل صحیح کے ساتھ منقول ہے کہ آپؐ نے بعض لوگوں کے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے ان کا وسوسہ جاتا رہا اور بعض بیماروں کے بدن پر دست مبارک پھیرنے سے ان کا مرض جاتا ہے ، آپ کے نزدیک اس سے استدلال تب درست ہوسکتا ہے جب نقل صحیح سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اپنی باطنی قوت کو ان کے آثار کے پیدا کرنے کے لیے جمع فرمایا ہے اور یہ ثابت نہیں بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے یہ افعال سینہ پر ہاتھ مارنا اور ہاتھ پھیرنا اس بنا پر کئے ہوں کہ ان افعال کے نافع اور مفید ہونے کا علم ہوا ہو اسی بناء پر تمام علماء امت نے ان واقعات کو معجزات میں شمار کیا۔ آپ کے نزدیک اس بات پر سب سے زیادہ واضح قرینہ کہ حضورﷺ سے کبھی تصرف صادر نہیں ہوا یہ ہے کہ آپ نے ابوطالب کے قلب میں تصرف نہیں فرمایا باوجودیکہ آپ ان کے ایمان لانے کے بہت زیادہ متمنی تھے بلکہ ان کے لیے صرف دعاء اور دعوت دینے پر کفایت فرمائی۔ آپ کے نزدیک اگر کسی وقت حضورؐ سے تصرف کا صدور تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس سے اس فعل کا سنت اصطلاحی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اصطلاحی سنت ہونا اس پر موقوف ہے کہ یہ فعل معمول ہو یہی وجہ ہے کہ کشتی لڑنے کو سنت نہیں کہتے حالانکہ ایک مرتبہ آپؐ نے رکانہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کشتی بھی کی ہے بلکہ اگر عادت ہونا بھی ثابت ہوجائے جب بھی سنت مقصودہ ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا کیونکہ سنت عادیہ کے لیے لازم نہیں کہ وہ

عبادت بھی ہو۔حضرت تھانویؒ نے استعمال تصرف کی دینی یا دنیوی مضرتوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے مثلاً دنیوی مضرت یہ ہے کہ اس کی کثرت سے عامل کے قویٰ دماغیہ اور قلبیہ ضعیف و مضمحل ہوجاتے ہیں اور اس کی وجہ سے بہت سے امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور مضرت دینی یہ ہے کہ عوام اس کی ولایت پر بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں اور اعتقادی ضرر یہ ہے کہ اگر اسی پر قناعت کرکے اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہیں اور محققین طریق نے انہی مضرتوں کی وجہ سے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے اور سلف صالحین کے زمانہ میں یہ مضرتیں بوجہ مضبوطی قویٰ اور سلامت فطرت اور خوش فہمی کے موجود نہ تھیں اس لیے خلف کو سلف پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔(۱۸۵)

۲۔کشف والہام صحیح ہونے کے باوجود حجت نہ ہونا:

حضرت تھانویؒ نے کشف و الہام کے ثبوت میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ ”ان للہ تعالیٰ عباداً یعرفون الناس بالتوسم.“(۱۸۶) (اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں کہ وہ لوگوں (کی حالت) کو فراست سے پہچان لیتے ہیں۔

عزیزی نے التقریب کے حوالے سے توسم کی تفسیر فراست سے کی ہے اور حفنی کے حوالے سے اس کا یہ مفہوم بیان کیاہے کہ وہ لوگوں کی باطنی حالت کو کشف و الہام سے دریافت کرلیتے ہیں اور حدیث اتقوا فراسة المؤمن میں فراست سے یہی مراد ہے ۔ اس حدیث کے تحت مندرج ذیل فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اس حدیث میں دلیل ہے بعض الہام اور کشف کے صحیح ہونے کی اور بے شمار صلحاء اور اولیاء سے اس کا ایسا ثبوت ہے کہ اس میں کسی تلبیس کی آمیزش نہیں لیکن باوجود اس (صحت) کے وہ حجت شرعیہ نہیں ہے اور اس کی نظیر احکام مشہورہ سے یہ ہے کہ جو شخص عید کا چاند ابر میں رمضان کی انتیس تاریخ کو دیکھ لے مگر قاضی کے یہاں بوجہ واحد ہونے کے شہادت قبول نہ ہو تو اس کا چاند دیکھنا اگرچہ واقع میں یقیناً بالکل صحیح اور التباس سے خالی ہو مگر حجت نہ ہوگی حتیٰ کہ خود دیکھنے والے کے لیے حجت نہ ہوگی چنانچہ اس پر واجب ہوگا کہ اگلے روز سب کے ساتھ روزہ رکھے پس صحیح ہونا حجت ہونے کو مستلزم نہیں پس تم تفریط سے بھی بچنا کہ ان کو حجت سمجھنے لگو جیسا کہ بعض کو لغزش ہو گئی ہے کہ کشف و الہام کی حجیت کا حکم دیا لیکن صرف اپنے ہی لیے اور تم کو معلوم ہوچکا کہ اس میں حق کیاہے (یعنی اپنے لیے بھی حجت نہیں) اور بہت کم ہیں جنہوں نے اس فرق پر تنبیہ کی ہو(صحت اور چیز ہے اور حجت اور چیز ہے)۔“(۱۸۷)

۳۔ مجاہدات اور ترک لذات میں غلو کی اصلاح اور ضرورت اعتدال:

اہل تصوف کے نزدیک نفس (چونکہ تمام خواہشات نفسانی کا منبع ہے) کی اصلاح اور تادیب کے لیے مجاہدہ نفس ضروری ہے اور اسکا طریقہ نفس کو مرغوبات سے الگ کرنا اور خواہشات کی مخالفت پر اسے ابھارنا ہے۔

اسی لیے صوفیہ کے ہاں قلت طعام ، قلت کلام، قلت منام اور قلت اختلاط مع الانام کی اصطلاحات مشہور ہیں۔ ان اصطلاحات ہی سے اس نقطہ نظر کی نفی ہوتی ہے کہ ان کے ہاں نفس کشی یا فناء نفس کا وہ تصور پایا جاتا ہے جو ہند و جوگیوں یا عیسائی راہبوں کے ہاں پایا جاتا ہے حضرت تھانویؒ نے ترک لذات میں غلو کی ممانعت پر حدیث ترمذی سے استدلال کیا ہے:

"ان رجلاً اتی النبی ﷺ فقال انی اذا اصبت اللحم انتشرت للنساء و اخذتنی شهو تی فحرمت علیّ اللحم فانزل الله تعالیٰ یا ایها الذین امنوا ل اتحرموا طیبت ما احل الله لکم."

(ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جب گوشت کھاتا ہوں تو میری طبعیت عورتوں کی طرف ابھرتی ہے اور میری خواہش مجھ پر غالب ہوتی ہے اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کر لیا پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال کیا ہے ان کو حرام مت کرو)۔

اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"بعض متشددین بعض حلال چیزوں کو جیسے مطلق گوشت یا مثلاً گائے کا گوشت وغیرہ اس طرح ترک کر دیتے ہیں جس طرح حرام چیزوں کو ترک کرتے ہیں یا ان کے ترک کو موجب تقرب الی اللہ اعتقاد کرتے ہیں یہ عملاً و علماً غلو و افراط فی الدین و بدعت سیئہ ہے اور جس رہبانیت کا ابطال آیا ہے یہ اس میں داخل ہے ۔ آیت کا شان نزول جو حدیث میں میں آیا ہے اور خود اس کا مدلول اس کی منع میں نص صریح ہے۔ اہل مجاہدہ نے جو لذات کو ترک کیا اس کا مرتبہ اس سے زیادہ نہیں ہے، جس طرح بعض مضرات طبیہ کے سبب مریض بعض اغذیہ سے پرہیز کرتا ہے نہ عقیدۃ" اس کو حرام سمجھتا ہے نہ اس ترک کو عبادت جانتا ہے ایسے ترک کو البتہ رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا بعض کم فہم

اس کے بھی منکر ہوئے ہیں۔''(۱۸۸)

بعض ناقدین تصوف نے حضرت تھانویؒ کی اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جس وجہ ان صحابی نے گوشت کھانا چھوڑا تھا (یعنی عورتوں کی طرف میلان اور خواہش نفس کا غالب ہونا) وہی سبب ایک جگہ مولانا نے صوفیہ کے ترک لذات کا بھی بیان کیا ہے ، یعنی حدیث ترمذی: ''**لايبلغ العبد حقيقة التقوىٰ حتى يدع ما لا بأس به حذراً مما به بأس**''. (بندہ حقیقۃ تقویٰ کو نہیں پہنچتا ہے جب تک کہ ایسی چیز کے اندیشہ سے جس میں کوئی خرابی ہو ایسی چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی خرابی نہ ہو) سے آپ نے لذات مباحہ کے ترک کا مسنون ہونا ثابت کیا ہے ، اس صورت میں جب کہ قصد یہ ہو کہ ان کے تناول سے قوت بہیمیہ میں زیادتی ہو کر معصیت کا سبب نہ بن جائے۔'' ناقد موصوف کو اس پر تعجب ہے کہ قوۃ بہیمیہ میں زیادتی کے پیش نظر کسی حلال و طیب غذا کو چھوڑ دینا ۔ اہل تصوف کے لیے جائز و مستحب بلکہ سنت اور ایک صحابی کے لیے وہی بات وجہ تنبیہ کیسے ہوسکتی ہے؟(۱۸۹) حالانکہ صحابی نے خواہش نفس کے غلبہ کے اندیشے کے ساتھ ساتھ گوشت کو اپنے اوپر حکام کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

''**فحرمت عليّ اللحم**'' اس لیے یہ عمل موجب تنبیہ بنا ۔ حضرت تھانویؒ کے نزدیک یہ ترک لحم اس صورت میں غلو ، افراط اور بدعت سیہ کہلائے گا جب کوئی شخص گوشت وغیرہ اس طرح ترک کردے جس طرح حرام چیزوں کو ترک کرتا ہے وگرنہ محض قوت بہیمیہ میں تقلیل کی بناء پر ترک لحم بطور علاج موجب تنبیہ نہیں ہوسکتا بلکہ دوسرے مقام پر انہوں نے اس عمل کو موافق حدیث بتلایا ہے اور حدیث (اثر) عمرؓ سے جو کہ مؤطا امام مالک میں ہے سے استفادہ کیا ہے۔ ''**ایاکم واللحم فان له ضراوة کضراوة الخمر و ان الله يبغض اهل البيت اللحميين**'' (گوشت کی کثرت) سے احتیاط رکھا کرو کیونکہ اس کی خواہش بھی ایسی ہو جاتی ہے جیسے شراب کی طلب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے گھر والوں کو پسند نہیں کرتے جن کو گوشت کھانے کی لازمی عادت ہوجائے اور اس کی توضیح میں لکھا ہے کہ اگر اس ترک کی مصلحت تقلیل قوت بہیمیہ ہے جو مفضی الی المعاصی ہوجاتی ہے تب تو اس کا مبنی صحیح اور موافق حدیث کے ہے البتہ گاہ گاہ کھا لینا مناسب ہے کہ صورۃ تحریم حلال نہ ہو اور اگر اس کو کچھ قرب الٰہی میں دخل سمجھتے ہیں تو بدعت ہے اور اگر عملیات وغیرہ اس کا سبب ہے تو بناء العبث علی العبث ہے اور اگر اس کا منشاء ذبح کو خلاف ترحم علی الحیوان سمجھنا ہے تو الحاد فی الدین ہے۔(۱۹۰)

حضرت تھانویؒ مجاہدات میں حد سے بڑھی ہوئی تقلیل کے بھی قائل نہیں وہ مسلم و ابوداؤد کی

حدیث ابوھریرۃؓ سے استفادہ کرتے ہیں۔ "**اذا قام احد کم من اللیل فاستعجم القرآن علیٰ لسانه فلم یدرمایقول فلیضطجع**" (جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہیے(تاکہ نیند آنے سے طبعیت ہلکی ہوجائے اس وقت پھر پڑھنا شروع کرے) آپ کے نزدیک اس حدیث میں ان لوگوں کی اصلاح ہے جو تقلیل طعام یا تقلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ لحوق ضرر کی طرف بھی التفات نہیں کرتے۔(۱۹۱)

حضرت تھانویؒ محققین صوفیہ کی طرح "ترک" کے بجائے تقلیل کے قائل ہیں انہوں نے التشرف میں بعض جہلا صوفیہ کے مجاہدات کی مذمت میں کئی احادیث کی تخریج کی ہے۔ مثلاً "**لا حزام ولازمام ولا سیاحة ولا تبتل ولاترهب فی الاسلام**". عبدالرزاق عن طاؤس مرسلاً (ض) (یعنی اسلام میں نہ ناک میں نتھنی پہننا ہے نہ نکیل ڈالنا ہے ، نہ سیاحت ہے (یعنی ترک تعلقات کیلیے قریہ بقریہ پھرنا) نہ قطع تعلقات ہے اور نہ ترک لذات ہے) آپ انہیں مجاہدات بدعیہ کہتے ہیں۔(۱۹۲) بعض جہلا قصداً گرمی یا سردی کی مشقت جھیلتے ہیں اور قادر ہونے کے باوجود اس سے گریز کی تدبیر نہیں کرتے۔ آپ اسے غلو فی الدین قرار دیتے ہیں اور حدیث دیلمی "**یا خولة لا تصبری علی حر ولا تصبری علی برد**" (اے خولہ سامان ہوتے ہوئے) نہ گرمی کا تحمل کر اور نہ سردی کا) سے مجاہدات میں عدم غلو پر استدلال کرتے ہیں۔(۱۹۳) آپ مباح کھیل کود کو نصوص کی بناء پر مستحب قرار دیتے ہیں مثلاً حدیث بیہقی فی الشعب "**الهوا والعبوا فانی اکره ان یری فی دینکم غلظة عن المطلب بن عبدالله (ض)**" (کچھ کھیل کود بھی لیا کرو۔ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں سختی دیکھی جائے)(۱۹۴) اور حدیث "**دیلمی روحوا القلوب ساعة فساعة**" (قلوب کو وقتاً فوقتاً راحت دو) سے طالب کی تربیت میں مجاہدات و ریاضات کے ساتھ اس کی راحت جسمانی و نفسانی کے لحاظ کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔(۱۹۵)

۴۔ تقلیل طعام اور اس میں اصلاح:

حضرت تھانویؒ نے تقلیل طعام کو صوفیہ کی عادت بتلاتے ہیں اور اس کی فضیلت پر حدیث "**اذا قل احدکم الطعام ملئ جوفه نورا**" (دیلمی) (جب تم میں سے کوئی شخص کھانے میں تقلیل کرتا ہے تو اس کا باطن نور سے بھر جاتا ہے) سے استدلال کیا ہے۔ آپ قلت سے وہ درجہ مراد لیتے ہیں جس میں انسان ادائے حقوق مطلوبہ سے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں عاجز نہ ہوجائے۔(۱۹۶)

تقلیل طعام کے ثبوت کے باوجود آپ نے بعض زہاد کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے جن کے نزدیک ایک دن میں دوبار کھانا مکروہ ہے ، آپ نے "**تحقیق الاکل مرتین فی یوم واحد**" کے عنوان کے تحت بہت عمدہ تحقیق پیش کی ہے اور ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن سے اس دعویٰ پر استدلال کی گیاہے۔ مثلاً حدیث **قولی اکثر من اکلة کلّ یوم سرف.**(۱۹۷) (ایک دن میں ایک بارسے زاہد کھانا اسراف ہے) اور حدیث فعلی "**کان اذا تغدی لم یتعش واذا تعشی لم یتغد.**(۱۹۸) (رسول اللہ جب صبح کو کھانا تناول فرماتے تو شام کو تناول نہ فرماتے اور جب شام کو تناول فرماتے تو صبح کو تناول نہ فرماتے)۔

آپ کے نزدیک ان احادیث سے تمسک صحیح نہ ہوگا نہ ثبوتاً نہ دلالۃً ثبوت تو اس لیے کہ حدیث ضعیف ہے اور کراہتہ منجملہ احکام ہے اور وہ حدیث ضعیف سے ثابت نہیں ہوتی اور یہاں تو ان احادیث کا معارض بھی موجود ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ قولی ثبوت میں تو یہ بات کافی ہے کہ سحر و افطار کی ترغیب دی گئی ہے اور (ظاہر ہے کہ) دونوں ایک ہی دن میں ہوتے ہیں اور فعلی ثبوت یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب کبھی حضور اقدس ﷺ کے گھروالوں نے ایک دن میں دوبار کھانا کھایا ہے تو ان میں ایک بار کا کھان خرما ضرور ہوا ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک دن میں دوبار کھانا آپ کے دولت خانہ میں معیوب نہ تھا تو اس پر کراہتہ کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے رہا امر ثانی یعنی حدیث کی دلالت کراہتہ پر سو اس کا حال خود حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے ظاہر ہوجاتا ہے کیونکہ اس کی علت اسراف فرمائی گئی ہے اور اسراف حاجت اور اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا پس حدیث اس صورت پر محمول ہوگی جب کہ دوسری بار بدون بھوک کے کھائے جیسا کہ اہل تنعم خادمان شکم کی عات ہے کہ محض ادائے حق وقت کے لیے کھاتے ہیں گویا وقت سبب ہے وجوب اکل کا باقی جو شخص حاجت کے سبب کھائے اس میں کچھ بھی شناعت نہیں حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دو بار سے زائد کھانے کی حاجت ہو کسی مرض یا نقاہت کے سبب اس کے لیے دوبار سے زائد کھانے میں بھی حرج نہیں یا اس حدیث کو کہ صبح کو کھا کر شام کو نوش نہ فرماتے اور بالعکس اس پر محمول کیاجائے کہ اکثر احوال میں کھانا موجود نہ ہوتا تھا پس اس حدیث میں اس تنگی کا بیان ہوگا جو حضور اقدس ﷺ کی اکثری حالت تھی جیسا بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات ہوگئی اور ایک دن میں دو بار روٹی اور روغن زیتون سے آپ شکم سیر نہیں ہوئے اور حدیث اس پر محمول نہیں کہ آپ قصداً صبح و شام کا کھانا ترک فرما دیتے تھے۔"(۱۹۹)

خوارق کا ظہور علامت ولایت نہیں:

عوام میں ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ خلاف عادت واقعات کے ظہور کو بزرگی اور ولایت کا لازمہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے نزدیک خرق عادت کا ظہور تو جوگیوں اور ساحروں سے بھی ہوتا ہے وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے۔[۲۰۰] خوارق کے علامت ولایت نہ ہونے پر آپ کا استدلال حدیث دجال سے ہے جو بخاری ومسلم میں آئی ہے:

" **فیقول الدجال ارأیتم ان قتلت ھذا ثم احییتہ ھل تشکون فی الامرفیقولون لافیقتلہ ثم یحییة**".

(جب دجال آئے گا تو کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو قتل کردوں گا پھر اس کو زندہ کر دوں تو کیا تم میرے معاملہ دعویٰ الوہیت میں شبہ کرو گے وہ لوگ کہیں گے کہ نہیں پس وہ اس کو قتل کردے گا پھر زندہ کرے گا)

فرماتے ہیں دجال سے زیادہ کون گمراہ ہوگا اور احیاء میت سے بڑھ کر کون سا امر خارق ہوگا باوجود اتنے بڑے خارق کے صادر ہونے کے دجال کے گمراہ ہونے میں کسے شبہ ہوسکتا ہے۔[۲۰۱]

۶۔ ترک اسباب کو کمال سمجھنے والوں اور سوء تدبیر پر توکل کی مذمت:

حضرت تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک حدیث طبرانی کی نقل کی ہے:

"**ثلثة لایجیبھم ربک عزوجل رجل نزل بیتا حربا ورجل نزل علی الطریق السبیل و رجل ارسل دابة ثم جعل یدعواللہ ان یحسبھا**.

(تمہارا پروردگار تین لوگوں کی دعا قبول نہیں فرماتا ایک وہ شخص جو غیر آباد (یعنی غیر محفوظ) مکان میں (بلااضطرار) ٹھہرے اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میری جان و مال کو محفوظ رکھے) اور ایک وہ شخص جو عین راستہ میں ٹھہرے (اور دعا کرے کہ گزرنے والوں کی ایذاء سے محفوظ رہوں) اور ایک وہ شخص جس نے اپنے چوپایہ کو (کھلا) چھوڑ دیا پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا شروع کر دے کہ اس کو تھامے رکھے)

ان دعاؤں کی عدم قبولیت کی وجہ آپ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ ایسے خطروں کے مواقع پر خود شرعی حکم ہے کہ اپنی جان ومال کی حفاظت رکھے چنانچہ ارشاد ہے:

"**ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة**".[۲۰۲] اور حدیث میں ہے کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کرو اور

ایک حدیث میں سفر کے اندر جدا جدا فاصلہ سے ٹھہرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور کثرت سے اس قسم کی احادیث وارد ہیں ان سب دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مقاصد کے جو اسباب ایسے ہیں کہ عادت غالیہ میں بدون ان اسباب کے وہ مقاصد ضائع ہوجاتے ہیں ۔ان اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں۔ اسی بناء پر اس غلطی پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ خود بے تدبیری او بے انتظامی کا ارتکاب کرکے توکل کا دعویٰ کرنا اور کامیابی کا منتظر رہنا اور کامیابی پر فخر کرنا جہل عظیم ہے۔[۲۰۳]

۷۔ سالک کا مقصود رضاء حق ہونا چاہیے ذوقیات، کیفیات اور جنت مقصود نہیں:

ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں بعض سالکین طریقت مجاہدات و ریاضات اور ذکر و عبادت سے ذوق وشوق، رقت قلبی یا کشف و کرامات کے متمنی ہوتے ہیں اور بعض جنت کو مقصود سمجھ کر اس کے طلبگار ہوتے ہیں ۔ حضرت تھانویؒ ان امور کو عبدیت کے منافی قرار دیتے ہوئے رضاء حق کو مقصود حقیقی قرار دیتے ہیں اور حدیث ''اللّٰھم انیّ اسئلک رضاک والجنّة'' (اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں میں جنت کے مطالبہ کی دعا پر شبہ دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سوال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ فلاں صاحب سے کہاں ملاقات ہوگی اور وہ باغ بتلائے اس پر وہ شخص باغ میں جانے کا آرزو مند ہے تو حقیقت میں وہ باغ مقصود بالذات نہ ہوگا بلکہ مقصود وہ صاحب ہیں مگر چونکہ وہ باغ میں ملیں گے اس لیے اس کی تمنا ہوتی ہے جو اس مقام پر رہتے ہیں اسی طرح حدیث شریف میں مقصود رضاء ہے جسے جنت پر مقدم فرمایا ہے مگر چونکہ اس کا حصول جنت میں ہوگا لہذا جنت کا بھی سوال کیا گیا حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ۔ ''و رضوان من اللہ اکبر''[۲۰۴] یہاں پر رضاء کو جنت سے اکبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی چیز یہی ہے، پھر یہ نکتہ بیان کیا کہ اس اکبر کی تحصیل کے لیے ذریعہ بھی اکبر ہونا چاہیے۔ سو فرماتے ہیں ''ولذکر اللہ اکبر''[۲۰۵] معلوم ہوا کہ وہ ذریعہ ذکر اللہ ہے۔ تمام احکام پر عمل کرنے سے ذکر اللہ ہی مقصود ہے۔[۲۰۶]

۸۔ کیفیت استغراقیہ کمال نہیں:

حضرت تھانویؒ کے نزدیک کیفیت استغراقیہ جو حضرات صوفیہ سے متوسطین کو حاصل ہوئی ہے کوئی بڑا کمال نہیں جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں آپ کے نزدیک اگر اسغراق بڑا مرتبہ ہوتا تو حضور ﷺ سے یہ ارشاد صادر نہ ہوتا جیسا کہ بخاری ومسلم میں ہے:

''انی لادخل فی الصلوۃ وانا ارید اطیلھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلا تی فیما

اعلم من شدة وجد اُمه ببکائه."

(میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور یہ ارادہ ہوتا ہے کہ نماز طویل پڑھوں گا پھر کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز میں اختصار کر دیتا ہوں کیونکہ جانتا ہو ں کہ اس کی ماں اس کے رونے سے پریشان ہوگی)۔(۲۰۷)

"**التشرف**" میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔"اس میں تصریح ہے کہ استغراق کمال نماز کے لوازم میں سے نہیں کیونکہ حضورﷺ کی نماز کے کامل ہونے میں کوئی شک نہیں اور باوجود اس کے آپ آواز سنتے تھے حالانکہ استغراق میں ایسی آواز مسموع نہیں ہوتی۔"(۲۰۸)

۹۔ اعمال مقصود ہیں احوال نہیں:

طبرانی کی حدیث "**اذا قام احدکم فی الصلوة فلا یغمض عینیه**" (جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو اپنی آنکھیں بند نہ کرے) سے اس موضوع پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مقصود اس طریق میں عمل کی تکمیل ہے سنت کے موافق نہ کہ احوال جیسے دفع خطرات (وساوس وغیرہ اس لیے کہ آنکھیں بند کرنے کو دفع خطرات میں خاص دخل ہے اور باوجود اس کے اس سے ممانعت کی گئی ہے۔(۲۰۹)

۱۰۔ اصلاح عقائد و اعمال کے لیے محض نسبت کافی نہیں:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعضوں کو یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں یا فلاں خاندان میں بیعت ہیں اور اس بناء پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بے فکر ہوجاتے ہیں اس دعویٰ اور ناز کی جڑ اس حدیث سے کٹتی ہے ۔مسلم میں ہے:

عن ابی هریرة قال لما نزلت "وانذر عشیرتک الاقربین" دعا النبی ﷺ قریشاً الحدیث وفیه یا فاطمة انقذی نفسک من النار فانی لا املک لکم من الله شیا. "

(جب یہ آیت نازل ہوئی و **انذرعشیرتک الاقربین** (اپنے قربت والے خاندان کو ڈراؤ) تو نبیﷺ نے قریش کو پکارا اور اسی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا! اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ کیونکہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے بچانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا)۔(۲۱۰)

۱۱۔ نفی تصرف مستقل عن الشیخ:

بعض نا واقف غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ و اختیار میں ہوتا ہے حضرت تھانویؒ اس کی اصلاح حدیث ترمذی و مسلم سے کرتے ہیں "**عن ابی ھریرۃ فی قوله تعالیٰ انک لا تھدی من احببت قال نزلت فی رسول الله ﷺ حیث یراود عمه اباطالب علی الاسلام.**" (یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں نازل ہوئی کہ آپ اپنے چچا ابوطالب کو اسلام کی ترغیب دیتے تھے، (اور وہ نہ مانتے تھے فرماتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں نہ ہوا تو اوروں میں تو اسکا کب احتمال ہے اور جب نفع دینی جو اصل کام شیخ کا ہے مستقلاً خارج از اختیار ہے تو نفع دنیوی تو بدرجہ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہو گا بہت جہلاء اس میں بھی گرفتار ہیں کہ نعوذ با اللہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اس کی بھی اصلاح ہوگی۔[۲۱۱]

۱۲۔ اباحیہ کی تردید:

بعض جہلاء کے نزدیک معرفت کے بلند مقام پر پہنچ کر سالک سے احکام شریعت ساقط ہوجاتے ہیں اور کاملین کے لیے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے ابن حزمؒ ابن جوزی اور بن تیمیہؒ وغیرہ نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس قسم کے اباحیین کے اس استدلال کی تردید کی ہے جو دیلمی کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے **اذا احب الله عبدا لم یضره ذنب** (جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب رکھتا ہے تو اس کو گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتا) حضرت تھانویؒ اس حدیث کا یہ مطلب بتلاتے ہیں کہ اس سے گناہ ہی نہیں ہوتا جس سے ضرر ہو اور اگر احیاناً صادر ہوجاتا ہے تو وہ توبہ[۲۱۲] اور استغفار کر لیتا ہے جس سے اس کا ضرر محو ہوجاتا ہے اور حدیث اہل بدر بھی اسی باب سے ہے "**اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم**" کہ "تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی۔" اس میں لفظ مغفرت نص ہے کہ گناہ گناہ رہتا ہے جب ہی تو مغفرت اس سے متعلق ہوتی ہے اور اگر گناہ مباح ہو جاتا تو عبارت کا حق یہ تھا کہ میں نے مباح کر دیا یا حلا ل کر دیا۔[۲۱۳]

۱۳۔ حرمت سجدہ قبور:

حضرت تھانویؒ مشائخ پرستی اور قبر پرستی پر مبنی منکرات کے سخت خلاف ہیں اور عوام کے ہاں مروج اس نوعیت کی بدعات کی قرآن و سنت سے تردید فرماتے ہیں۔ بزرگوں کی قبور کو سجدہ اگر سجدہ عبادت کی نیت سے ہے تو وہ آپ کے نزدیک شرک و کفر ہے اور اگر سجدہ تحیت (تعظیمی) ہے تو

سخت کبیرہ قریب بکفر ہے اور صحاح کی حدیث میں اس فعل کی اصلاح ہے جو اس وقت جہلا صوفیہ میں شائع ہے۔ "**لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء ئھم مساجد**" (اللہ تعالیٰ لعنت کرے یہود ونصاریٰ کو کہ اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا یعنی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں)۔[۲۱۴]

آپ نے بیان القرآن اور بوادرالنوادر میں سجدہ تحیۃ کی حرمت پر مبنی حدیث پر وارد ہونے والے اس اشکال پر کر یہ خبر واحد ہونے کی بناء پر قرآن میں مذکور سجدہ تحیۃ کو منسوخ نہیں کرسکتی، عمدہ بحث کی ہے۔

آپ نے محدثانہ انداز میں اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرکے بیس صحابہ تک پہنچایا اور اس کا متواتر ہونا اور اقل درجہ میں اس کا خبر مشہور ہونا ثابت کیا اور سجدہ تحیۃ کی حرمت سے متعلق تمام شبہات کو مضبوط دلائل کے ساتھ رفع کیا ہے۔[۲۱۵]

۱۴۔ کراھیۃ غلاف قبور:

حضرت تھانویؒ کے نزدیک قبور پر غلاف چڑھانا پسندیدہ فعل نہیں اور یہ امر اصلاح کا متقاضی ہے۔ آپ نے اس کی کراہت پر ابوداؤد کی حدیث ابن عباسؓ سے استفادہ کیا ہے حضورﷺ کا ارشاد ہے۔ "**لا تستروا الجدر**" (دیواروں کو کپڑوں سے مت چھپاؤ) آپ کے نزدیک قبروں پر تو دیوار گیری کے برابر بھی ضرورت نہیں محض تزین و تجمل و ترفع ہی مقصود ہے۔جس کی قبور کے لیے اجازت ثابت نہیں۔[۲۱۶]

۱۵۔ آنحضرتﷺ کے قبہ کی تخصیص-حکم و مصالح:

حضرت تھانویؒ مزارات اولیاء پر قبوں کی تعمیر کو مناسب نہیں سمجھتے ۔ آپ کے نزدیک حضورﷺ کے روضہ اطہر پر بزرگوں کے مزارات کو قیاس کرنا درست نہیں یہ قیاس مع الفارق ہے۔ آپ نے ایک استفاء کے جواب میں حضورﷺ کے قبہ شریفہ کی تخصیص اور اس کے حکم و مصالح پر نصوص کی روشنی میں عمدہ بحث کی ہے جس سے آپ کی فقاہت اور اجتہادی ذوق بھی نمایاں ہے حضرت تھانویؒ کے نزدیک حضورﷺ کی تدفین احادیث کی رو سے موضع وفات ہی میں مامور بہ ہے اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران وسقف (دیواروں اور چھت) پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و سقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے اور بناء علی القبر سے جو نہی آئی ہے وہ، وہ ہے جہاں بناء للقبر ہو اور یہاں ایسا نہیں۔ اب رہا اس کا بقاء یا ابقاء سو چونکہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی ایک نے اس بناء کے بقاء پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ ایک موقع پر استفاء کی ضرورت

شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولاگیا جس سے اس بناء کے بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہوگیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام ابقاء کے عادۃ ممکن نہیں اس لیے اہتمام ابقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہوگئی اور چونکہ عمارت کا استحکام داخل فی الابقاء ہے اس لیے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہوگئی خصوصاً جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں مثلاً حضورﷺ کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نعوذ باللہ) یقیناً ہفوتِ احترام ہے اور جس مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلیٰ بدہیات سے ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا افضاء الی التجاوز عن الحدود الشرعیہ کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضورﷺ کا چہرہ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہوجائے اور یہ دونوں امر حافظ للمصالح الشرعیہ ہونے کے سبب مقصود ہیں)۔

بدون بقاء بناء کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ رہ نہیں سکتے اس لیے مقدمہ مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہوگیا۔ نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بناء میں حیلولۃ کی بھی مصلحت ہے پس ثابت ہو گیا کہ ''ایکم مثلی''[۲۱۷] کی طرح ''قبر ایکم مثل قبری'' کا حکم بھی کیا جائے گا۔ واللہ اعلم...... اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں بنیں اس کا جواب سوائے اس کے سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے حجرے میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں اور بر وقت وفات کے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند حضور سرور کائناتﷺ ہیں اور اس کے علاوہ بھی بشارات (ادلہ مبشرہ بالفضل نہ کہ منامات) شاید ہوں گی جس کی وجہ سے حضورﷺ شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں سے دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں حضور سرور کائناتﷺ کے لیے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کے لیے۔[۲۱۸]

حدیث اور تصوف کی تحقیق، تطبیق اور تنقیح پر مبنی یہ علمی اور فکری کاوشیں اہل علم کو حدیث اور تصوف کے کئی اہم گوشوں سے متعارف کراتی ہیں اور ان سے نقد حدیث و نقد تصوف کے ایک اہم پہلوؤں کی نشاندہی ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ نے تصوف کے موضوع پر احادیث کا ذخیرہ جمع کرکے اور تصوف و سلوک کا احادیث کی روشنی میں تجزیہ کرکے ایک اہم علمی و دینی خدمت سرانجام دی ہے اور حدیث اور تصوف ہر دو شعبوں سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم اور محققین اس سے استفادہ اور راہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) حضرت تھانویؒ کی شخصیت اور سوانح پر درج ذیل مأخذ سے استفادہ کیا گیا ہے
ا۔ عزیز الحسن: "اشرف السوانح" ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔۱۹۸۵(۳ جلد)
ب۔ عبدالرحمان ، منشی: سیرت اشرف۔ ادارہ نشر المعارف ۔چہلیک۔ ملتان۱۹۵۶
ج۔ عبدالحی عارفی: "مأثر حکیم الامت" ادارہ اسلامیات، لاہور۔۱۹۸۶
د۔ وکیل احمد ، شیروانی: "اشرف المقالات"،مجلس صیانۃ المسلمین ، لاہور۱۹۹۵

(۲) مأثر حکیم الامت ص۵۶

(۳) حوالہ سابق

(۴) ایضا

(۵) ایضا ص ۶۰۔۶۱

(۶) ایضا ص ۳۱۷

(۷) منشی عبدالرحمٰن نے سیرت اشرف میں ان مواعظ کی مفصل فہرست دی ہے دیکھئے ص ۲۶۳۔۲۶۷

(۸) مأثر حکیم الامت ص۲۹۴

(۹) دیکھئے فہرست تالیفات حکیم الامت ۔ مرتب ڈاکٹر عبدالحی عارفؒ ، مکتبہ دارالعلوم کراچی۱۴۰۷ھ

(۱۰) مأثر حکیم الامت. ص ۲۹۴

(۱۱) اشرف السوانح ج ۳ ص ۴۶

(۱۲) مثلاً متعدد علمی تحقیقات پرمشتمل مجموعہ "بوادر النوادر" جو حضرت تھانویؒ کی حیات ہی میں شائع ہوا، نیز اشرف التفاسیر" جو آپ کے مواعظ ، ملفوظات و تصانیف میں منتشر تفسیری نکات پر مشتمل ہے ۴ جلدوں میں مرتب ہو کر ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان سے طبع ہوچکی ہے۔

(۱۳) تھانویؒ : "الافاضات الیومیہ" ادارہ تالیفات اشرفیہ ،ملتان ج ۷ ص۱۱۱

(۱۴) اسانید احادیث میں آپ کا رسالہ "السبعة السیارة"طبع ہو چکا ہے۔

(۱۵) مأثر حکیم الامت ص۳۰۴

(۱۶) ظفر احمد۔ عثمانی: "اعلاء السنن" ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ۔ کراچی ج ۱ ص ۱۶

(۱۷) ماہنامہ "الحسن" نمبر بیاد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ، جامعہ اشرفیہ۔ لاہور ۱۹۸۷ج ۲۳۷

(۱۸) دیکھئے۔ "اعلاء السنن"تحقیق حازم القاضی۔ دارالکتب العلمیہ۔ بیروت ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ﷺ ۶

(۱۹) ایضا دیکھئے مقدمہ کتاب ۔ص ۱۱

(۲۰) حوالہ سابق

(۲۱) حوالہ سابق مقدمہ کتاب۔ دیکھئے علامہ زاہد الکوثریؒ ، شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ ، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا یوسف بنوریؒ کے تعریفی بیانات

(۲۲) ماہنامہ "معارف". دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ انڈیا شمارہ ۲ جلد ۵۲ اگست۱۹۴۳ مضمون ' حقیقت تصوف کا مکتشف اعظم '' ازسید سلیمان ندوی۔ بحوالہ اشرف المقالات ۲ ۴۶۷ / ۴۶۹

(۲۳) ''اشرف السوانح ۱ /۱۹۳

(۲۴) '' الافاضات الیومیہ'' ۴ / ۳۱۶

(۲۵) تھانویؒ '' اشرف علی : " التکشف عن مھمات التصوف "۔ سجاد پبلشرز۔ لاہور ص۱۸۴۔۱۸۵

(۲۶) مأثر حکیم الامت ص ۶۴

(۲۷) ایضا ص ۱۴۴۔۱۴۵

(۲۸) ایضا ص ۱۴۵

(۲۹) تھانویؒ '' حسن العزیز ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ص۱۵

(۳۰) یہ کتاب حضرت تھانویؒ ہی کی تصنیف التکشف کا آخری اور اہم حصہ ہے

(۳۱) تھانویؒ: اشرف علی : " التشرف بمعرفة احادیث التصوف " اللجنة العلمیة، حیدر آباد، انڈیا۔ (س۔ن) یہ کتاب کتب خانہ مظہریہ کراچی سے بھی طبع ہوچکی ہے

(۳۲) یہ سب کتب معروف و مطبوع ہیں

(۳۳) حضرت تھانویؒ اس کتاب کے بڑے مداح تھے ۔ آپ ہی کی ہدایت پر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مؤلف اعلاء السنن' نے اس کتاب کی دو جلدوں کا جو سو (۱۰۰) احادیث کی شرح پر مشتمل ہیں۔ اردو میں ترجمہ میں کیا مولانا عثمانی کے ترجمہ و تشریحی فوائد کے ساتھ یہ کتاب '' رحمة القدوس'' انتخاب بخاری شریف کے نام سے ادارہ اسلامیات، لاہور سے ۱۹۷۹ء میں دو جلدوں میں طبع ہوچکی ہیں۔

(۳۴) اردو زبان میں ڈاکٹر عبداللطیف کے ترجمہ کے ساتھ یہ کتاب پیکجز لمیٹڈ شارع رومی، لاہور سے ۱۹۷۵ء میں طبع ہوئی ہے۔ استاد بدیع الزماں کو رومی پر تحقیق و تصنیف کے حوالے سے بڑی شہرت حاصل ہے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ مولانا رومؒ کے دیوان کبیر جو کہ دیوان شمس کے نام سے معروف ہے مستند مجموعہ تہران یونیورسٹی سے شائع کروایا، رومیؒ کے خطبات و مواعظ ''فیہ مافیہ'' کے عنوان سے طبع کروائے۔ ''معارف کے نام سے چار جلدوں سے رومی کے والد بہاؤ الدین حسین کے مقالات و مواعظ کی بھی اشاعت کی اور مثنوی مولانارومؒ کی شرح کے کچھ حصے تین جلدوں میں شائع کئے دیکھئے۔'' ارمغان رومیؒ (مقالات سیمینار) دانشگاہ پشاور۔پاکستان ۱۹۷۹۔

"The life and works of jalaloddin Muhammad Mowlavi"
Dr. Parwiz Nowin p 21-22

بعض دوسری مختصر کتابیں جو احادیث تصوف کی تخریج ہی سے متعلق ہیں یہ ہے۔ سخاوی، تخریج الاربعین، السلمیہ فی التصوف، المکتب الاسلامی ۔بیروت ۱۹۸۸، خالق داد ملک، تخریج احادیث کشف المحجوب للھجویری ۔ کلیہ شرفیہ، جامعہ پنجاب۔ لاہور ۱۹۹۷۔

(۳۵) سبکی، ''قاعدة فی الجرح والتعدیل'' دارالوعی۔ حلب /القاہرہ ۱۳۹۸ ھ ص ۵۲۔۵۳

(۳۶) ''شاہ عبدالعزیز : عجالہ نافعہ ۔'' بزم توحید و سنت ، گوجرانوالہ (س۔ن) ص ۳۲

(۳۷) ذہبی ، '' المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم.' دائرۃ المعاف عثمانیہ، حیدر آباد ۱۳۵۷ھ ج۹ ص۱۶۹۔۱۷۰

(۳۸) ابن یتمیہ : مجموع فتاویٰ شیخ الالسلام .'' مطابع ریاض ۔۱۳۹۸ھ ج ۱۰ ص ۵۵۲

(۳۹) سبکی :''طبقات الشافعیہ الکبریٰ.'' دار احیاء الکتب العربیہ قاہرۃ (س۔ن) ج ۶ ص ۲۸۷

(۴۰) بالخصوص ایام و شہور کی مختلف نمازوں کے متعلق نقل کردہ احادیث کو موضوع کہا ہے ،دیکھئے '' تاریخ بغداد' ج۳ ص ۸۹ ، ابن جوزی: تبلیس ابلیس ، دارالطباعۃ المنیریۃ، القاہرۃ ۱۳۶۹ھ ص ۱۶۴، ملاعلی القاری: ''المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع'' مؤسسۃ الرسالہ. بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ ء ص ۲۵۹ ۔۲۶۰

(۴۱) ابن حجر نے ابن جوزی کی تردید میں '' القول المسدد فی الذب عن مسند احمد.''تحریر کی جنہوں نے مسند احمد کی تیس احادیث کو موضوع قرار دیا ہے ۔سیوطی نے بھی ابن جوزی کی موضوعات پر ''النکت البدیعات علی الموضوعات '' لکھی پھر اس کی تلخیص کرکے کچھ اضافے بھی کئے جو ''الالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ'' کے نام سے معروف ہیں۔

(۴۲) خطیب بغدادی : ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' حیدرآباد کن ۱۳۵۷ھ ص ۱۳۴

(۴۳) ابن الصلاح :'' مقدمہ ابن اصلاح '' دارالفکر ، دمشق ۱۹۸۴ءص۱۰۳

(۴۴) مثلاً ایک زاہد نوح بن مریم نے لوگوں کو قرآن کی طرف رغبت دلانے کے لیے قرآنی سورتوں کے فضائل میں احادیث وضع کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ دیکھئے۔ذہبی، میزان الاعتدال،دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۳/ ج۴ ص۲۷۹ ۔ ۲۸۰

(۴۵) ابن حجر: '' نزھۃ النظر فی توضیح نجنۃ الفکر'' قرآن محل کراچی (س۔ن) ص ۵۸۔۵۹

(۴۶) دیکھئے: الکنانی: ''تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الموضوعۃ'' دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۷۹ء ج ۱ ص۴۳ ۔۴۴ '' میزان الاعتدال'' ۳ /۵۲۳

(۴۷) ''التشرف '' ص ۲۵

(۴۸) ایضاً ۳۵۔۱۵۵

(۴۹) ایضاً ص۳۵

(۵۰) ایضاً ۷۵۔۷۶

(۵۱) ایضاً ۵۱

(۵۲) ایضاً ۶۱

(۵۳) ایضاً ۹۱

(۵۴) ایضاً ۹۳

(۵۵) ایضاً ۱۲۵

(۵۶) ایضاً ۱۳۵

(۵۷) سید سلیمان ندویؒ التشرف کے حصہ دوم میں کے تعارف میں صرف مثنوی کے دفتر اول کی روایات کا ذکر کیا

ہے جب کہ اس میں دفتر ششم کے علاوہ بھی دوسری احادیث کی بڑی تعداد نقل کی گئی ہے ۔ دیکھئے ''مقالہ حکیم الامت کے آثار علمیہ: مأثر حکیم الامت ص ۳۰۶ حصہ دوم کے عنوانات درج ذیل ہیں:

نمبر۱۔ **تخریج بعض الروایات الواردة فی الدفتر الاول من المثنوی المعنوی او شرحه کلید عن بعض الرسائل وغیرہ ص ۱۵۹۔۱۸۸**

نمبر۲۔ **تخریج بعض الروایات الواردة فی الدفتر السادس من المثنوی المعنوی او شرحه کلید من نفس کلید ص ۱۸۹۔۱۹۵**

نمبر۳۔ **ضمیمه فی تحقیق بعض الروایات المتفرقه المذکورة فی رسائل القوم ص ۱۹۶۔۱۹۷** نمبر ۴ **تخریج الروایات من المقاصد الحسنة مع التلخیص علی ترتیب الحروف الهجائیة ص ۱۹۸۔۲۵۶**

(۵۸) سید سلیمان ندویؒ نے حصہ سوئم و چہارم کی احادیث کا مأخذ حرف جامع صغیر بتلایا ہے جب کہ اس میں کچھ احادیث کنوز الحقائق سے بھی لی گئی ہیں جیسا کہ خود مؤلف موصوف نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

(۵۹) دیکھئے التشرف حصہ سوم ص ۲۵۷۔۳۶۴، حصہ چہارم ص ۳۶۵۔۴۴۶

(۶۰) ایضاً ۲۷۲

(۶۱) ایضاً ۲۷۹

(۶۲) ایضاً ۲۸۸

(۶۳) ایضاً ۳۰۰

(۶۴) ایضاً ۳۰۲

(۶۵) یہ رسالہ دریبہ کلاں، دہلی سے محمد عثمان خان تاجر کتب ہر قمری ماہ کی پندرہ تاریخ کو شائع کرتے تھے۔ اس کا اجراء جمادی الاول ۱۳۴۳ھ میں ہوا ۔

(۶۶) '' اشرف المقالات '' ۲ / ۱۹۷

(۶۷) التکشف ۔ ص ۴۷۳۔ ۴۷۵

(۶۸) ایضاً ۴۷۶

(۶۹) ایضاً ۴۹۴

(۷۰) ایضاً ۵۸۲

(۷۱) ایضاً ۵۷۴

(۷۲) ایضاً ۵۸۲

(۷۳) ایضاً ۶۵۸

(۷۴) ایضاً ۶۵۵

(۷۵) ایضاً ۶۶۶

(۷۶) ایضاً ۶۲۰

(۷۷) مقدمہ ۔ حقیقة الطریقة (ملخص) دیکھئے التکشف ص ۴۶۸۔۴۶۹

(۷۸) تھانویؒ ۔ اشرف علیؒ: بوادرالنوادر۔ ادارہ اسلامیات ، لاہور ۱۹۸۵ء ص۷۸۰۔۷۸۶

(۷۹) التشرف : ۲۶

(۸۰) ایضاً ۴۴۷

(۸۱) ایضاً ۱۶۰

(۸۲) منذری: "الترغیب والترھیب" دارالحدیث القاھرہ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء ج ۴ ص ۲۶۷

(۸۳) التشرف :۷۴۔۷۵

(۸۴) ایضاً ۱۸۰۔۱۸۲

(۸۵) احادیث مثنوی :۱۸

(۸۶) التشرف : ۱۶۸۔۱۶۹

(۸۷) ملا علی القاری : موضوعات الکبریٰ ، المکتبہ الاثریۃ ، شیخوپورہ (س۔ ن) فتنی :"تذکرۃ الموضوعات : کتاب التوحید باب الایمان باللہ الخ المکتبۃ القیمۃ. بمبی ۱۳۴۳ھ ص ۱۱

(۸۸) التشرف : ۲۱۶۔۲۱۷

(۸۹) تذکرۃ الموضوعات ۱۷۴

(۹۰) القصص : ۲۸۔۷۷

(۹۱) التشرف : ۲۲۲۔۲۲۳

(۹۲) ایضاً: مثلاً دیکھئے صفحات ۳۴۷،۳۷۵،۳۷۸،۳۹۶،۴۱۴،۴۱۵،

(۹۳) سیوطی نے "اتحاف الفرقۃ بوصل الخرفۃ" کے نام سے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کیا جو کہ مجموعہ رسائل تسعہ سیوطی ، مطبع محمدی لاہور۔ (س۔ن) سے ملحق ہے نیز دیکھئے نفحات الانس ص۳۶۶۔۳۶۷

(۹۴) التشرف : ۲۳۱۔۲۳۲

(۹۵) دیکھئے عوارف المعارف باب ۲۵

(۹۶) التشرف : ۲۳۲۔۲۳۳

(۹۷) ایضاً ۲۳۹۔۲۴۱

(۹۸) التشرف ؛ ۲۱۵

(۹۹) عجلونی: کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتھرمن الاحادیث علی السنۃ الناس. تحقیق و تعلیق احمد القلاش. ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ج ۱ ص۳۴۰، حدیث۹۱۵ التشرف ۲۱۵

(۱۰۰) الموضوعات الکبیر: ۵۹، الأثار المرفوعۃ: ۳۵

(۱۰۱) التشرف : ۱۹۶

(۱۰۲) زبیدی: اتحاف السادۃ ۷ /۲۰۶

(۱۰۳) یوسف : ۱۲: ۵۳

(۱۰۴) التشرف : ۸۷

(۱۰۵) مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ۱۱ / ۱۱۷ المصنوع فی معرفة حدیث الموضوع : ۱۲۸ المقاصد الحسنہ : ۳۰۰

(۱۰۶) التشرف: ۲۲۸۔۲۲۹

(۱۰۷) بخاری :الجامع الصحیح . کتاب الرقاق : باب ۴۰

(۱۰۸) اس حدیث سے آپ نے بندہ کے محبّ اور محبوب ہونے کو بھی ثابت کیا ہے ۔ التشرف۸۹

(۱۰۹) نیز دیکھئے مسند احمد دار صادر ، بیروت (س۔ن) ۹۳/۶۔ مسند السیدہ عائشہؓ

(۱۱۰) التشرف : ۲۲۴

(۱۱۱) ایضاً ۲۵

(۱۱۲) "اذ ارادوا روایة ماسمعه علی معناه دون لفظه " ابن الصلاح: مقدمه ابن الصلاح" ص۲۱۳

(۱۱۳) ایضاً : ۲۱۴۔ الامدی: الاحکام فی اصول الاحکام: مکتبہ صبیح ۱۳۸۷ء ج ۲ ص ۱۴۶ ابن حجر کے نزدیک اکثریت جواز کی قائل ہے "نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر تحقیق نورالدین عتر مطبعہ الصباح ۔ دمشق

(۱۱۴) اللالی المصنوعة: ۲۶۴/۲

(۱۱۵) کشف الخفاء: ۲۳۲/۱ ، حدیث :۶۱۱

(۱۱۶) التشرف :۱۷۵۔۱۷۶

(۱۱۷) التکشف :۴۸۲

(۱۱۸) ایضاً ۱۶۳

(۱۱۹) ایضاً ۱۷۳

(۱۲۰) صغانی:" مشارق الانوار" مع ترجمه تحفة الاخیار. مطبع نولکشور. کانپور۔ انڈیا۱۸۷۴ھ ص۱۷۵

(۱۲۱) ایضاً ۴۸۶

(۱۲۲) کشف الخفاء: داراحیاء التراث العربی ، بیروت ۱۳۵۳ھ ج ۱ ص۹

(۱۲۳) ابن عربی:" الفتوحات المکیة." دارالکتب العربیه الکبریٰ. مصر ۱۳۲۹ھ ج ۲ ص ۳۹۹

(۱۲۴) شاہ ولی اللہ : " مجموعه المسلسلات والدر الثمین والنوادر" ۔مکتبہ یحیویہ سہارنپور۔۱۹۷۰ء ص ۵۶۔۵۷

(۱۲۵) ایضاً ۵۹

(۱۲۶) التشرف : ۴۴۴

(۱۲۷) التکشف: ۱۶۳۔۱۷۳

(۱۲۸) التشرف: ۲۵۴۔ مزید مثالوں کے لیے دیکھئے ۔ التشرف ۲۱۵۔۲۱۶۔۲۱۷ وغیرہ

(۱۲۹) مأثر حکیم الامت : ۱۹۸۔۱۹۹، نیز دیکھئے تھانویؒ تسہیل قصد السبیل ملحقہ اصلاحی نصاب کتب خانہ مجیدیہ، ملتان (س۔ن) ص ۵۸۲

(۱۳۰) التکشف :۴۷۳۔۴۷۵

(۱۳۱) مأثر حکیم الامت ملخص ص ۲۰۰۔۲۰۱

(۱۳۲) التکشف : ۵۲۳

(۱۳۳) وکانت بیعة الرضوان بعد ما ذهب عثمان فقال ﷺ بیده الیمنی علی الیسریٰ وقال هذه لعثمان.اخرجه البخاری والترمذی عن ابن عمرؓ

(۱۳۴) ابن تیمیہ: "العبودیة"۔ بیروت ۔۱۳۹۲ھ ص ۱۵۷۔۱۶۱

(۱۳۵) مزمل :۷۳:۸

(۱۳۶) التکشف:۳۰۷

(۱۳۷) بوادرالنوادر: ۶۹

(۱۳۸) ترمذی: جامع ترمذی. کتاب الحج ، باب ماجا ء فی التلبیہ ، سنن ابی دائود ،کتاب المناسک، باب کیف التلبیہ.

(۱۳۹) ایضاً

(۱۴۰) التکشف: ۵۲۶۔۵۲۷

(۱۴۱) بخاری. کتاب المغازی .باب غزوۃ الخندق

(۱۴۲) بوادرالنودر ص ۴۴۶

(۱۴۳) التکشف ۔ ملخص ص ۵۱۵

(۱۴۴) ایضاً ۵۰۲

(۱۴۵) ایضاً ۵۰۳

(۱۴۶) ایضاً ۶۵۲ نیز دیکھئے التشر ف :۴۰۵

(۱۴۷) بوادرالنوادر ص ۷۸تحقیق متعلق کرامت

(۱۴۸) التکشف ۵۹۹

(۱۴۹) ایضاً ۶۱۹

(۱۵۰) ہیثمی :" مجمع الزوائد ." کتاب الزهد ،باب ماجاء فی الفراسة ،مکتبہ القدسی، القاہرۃ۔۱۳۵۳ھ ۲۶۸/۱۰

(۱۵۱) التشرف: ۳۴۶

(۱۵۲) الدخان: ۴۴:۱۰

(۱۵۳) دیکھئے مسلم کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر ابن صیاد. التکشف: ۶۱۸۔۶۱۹

(۱۵۴) التشرف :۳۴۶

(۱۵۵) الملک :۶۷:۱

(۱۵۶) التکشف :۶۶۴

(۱۵۷) ایضاً ۶۸۷۵:۵

(۱۵۸) مدارج السالکین: ۳ / ۱۹۵

(۱۵۹) التکشف: ۵۰۰

(۱۶۰) ایضاً ۵۰۲

(۱۶۱) تبلیس ابلیس: ۳۴۴

(۱۶۲) التکشف :۵۱۹

(۱۶۳) ایضاً ۵۰۶

(۱۶۴) ایضاً ۵۰۱

(۱۶۵) التوبہ :۹:۱۱۸

(۱۶۶) التکشف: ۵۰۱۔۵۰۲

(۱۶۷) ایضاً ۶۷۶۔۶۷۷

(۱۶۸) بوادرالنوادر: ۱۱۲۔۱۱۳

(۱۶۹) ایضاً ۵۶۰۔۵۹۳

(۱۷۰) ملا علی قاری نے بھی بعض احادیث کی احادیث سے نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے ."ومنها احادیث ذم الاولاد کلها کذب من اولها وآخر ها کحدیث لویربی احدکم بعد ستین مأتة جر وکلب خیر من ان یربی ولداً ." دیکھئے الموضواعات الکبیر" ص ۱۰۴(ان موضوعات میں سے اولاد کی مذمت میں مروی احادیث ہیں جو از اول تا آخر موضوع ہیں مثلا یہ حدیث کہ اگر تم میں کوئی کتے کا پلہ پالے تو بچے کی پرورش سے بہتر ہے)۔

(۱۷۱) التکشف :۴۸۸

(۱۷۲) دیکھئے فراہی عبید اللہ :"تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ' ڈاکٹر عبیداللہ فراہی کی اس تصنیف کا مکمل عکس ہفت روزہ آئین ۔" لاہور۔ جلد۲۶،شمارہ ۲۵، ۱۵ اگست ۱۹۸۸ء (ص ۲۶۔۲۷) میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱۷۳) التشرف : ۳۸۱

(۱۷۴) کنزالعمال : کتاب النکاح الباب الاول فی الترغیب انح حدیث : ۴۴۴۱۴

(۱۷۵) التشرف: ۴۳۶

(۱۷۶) التکشف: ۵۲۱ نیز دیکھئے التشرف : ۴۰۱

(۱۷۷) بوادرالنوادر: ۴۳۳۔۴۳۴

(۱۷۸) التکشف: ۵۲۰

(۱۷۹) ایضاً ۵۷۹

(۱۸۰) ایضاً ۵۴۹۔۵۵۰

(۱۸۱) التشرف: ۴۰۷۔۴۰۸ نیز دیکھئے التکشف: ۶۹۰

(۱۸۲) التکشف:۵۴۸

(۱۸۳) ملخص از السنة الجلية فی الجشية العليه" ملحقہ" معارف اشرفیہ' ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ج ۱ ص ۸۴۔۸۷

(۱۸۴) تھانویؒ : "التعرف فی تحقیق التصرف" مع اردو ترجمہ از مفتی محمد شفیعؒ ،ملحقہ بوادرالنودر ص ۷۸۰۔۷۸۶

(۱۸۵) ملخص از "التعرف فی تحقیق التصرف" دیکھئے بوادرالنوادر ص ۷۸۰۔۷۸۶

(۱۸۶) مجمع الزوائد ،. کتاب الزهد باب اما جاء فی الفراسة.

(۱۸۷) التشرف: ۳۴۶

(۱۸۸) التکشف: ۴۹۹

(۱۸۹) دیکھئے : تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ۔ بحوالہ آئین ص ۲۷

(۱۹۰) التکشف : ۵۶۸۔ ۵۶۹

(۱۹۱) ایضاً ۵۱۷۔۵۱۸

(۱۹۲) التشرف: ۴۴۴

(۱۹۳) ایضاً ۴۴۶

(۱۹۴) التشرف: ۳۲۴

(۱۹۵) ایضاً ۳۹۷

(۱۹۶) التشرف: ۲۸۰-۲۹۷

(۱۹۷) سیوطی: جمع الجوامع: ۱۳۸۷

(۱۹۸) کنز العمال: الکتاب الثالث الشمائل ۔ الباب الثالث فی الطعام: ۱۸۱۷۷

(۱۹۹) التشرف: ۳۱۹۔۳۲۱

(۲۰۰) بوادرالنوادر: ۷۸

(۲۰۱) التکشف: ۶۱۸

(۲۰۲) البقرۃ: ۲: ۱۹۵

(۲۰۳) التشرف: ۳۸۱

(۲۰۴) التوبہ: ۹: ۷۲

(۲۰۵) العنکبوت: ۲۹۔۴۵

(۲۰۶) تھانویؒ ملفوظات۔ مقالات حکمت، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ص ۳۰۔۳۱

(۲۰۷) التشرف: ۳۶۲

(۲۰۸) ایضاً

(۲۰۹) التشرف: ۳۰۳

(۲۱۰) التکشف: ۶۷۲

(۲۱۱) التکشف: ۵۰۶

(۲۱۲) بخاری: کتاب التفسیر ۔ باب لاتتخذوا عدوی، الأیہ

(۲۱۳) التشرف: ۲۷۹

(۲۱۴) التکشف: ۵۵۲

(۲۱۵) دیکھئے بوادرالنوادر: ۱۳۴۔۱۳۸

(۲۱۶) التکشف: ۵۳۸

(۲۱۷) بخاری ۔ کتاب الحدود، باب کم التعزیر والادب

(۲۱۸) دیکھئے بوادرالنوادر: ۳۵۰۔۳۵۱ تحقیق متعلقہ قبہ روضہ نبویہ مع دفع شبہ قبور شیخین۔